در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر | پی ۲۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

بانی مدیر
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

مدیرِ اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۳۰۳-۳۰۴ | جلد نمبر ۲۶

یکم تا ۳۰ جون سنہ ۲۰۰۵ | جمادی الاول سنہ ۱۴۲۶

مدیرِ اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز
قصہ خوانی بازار پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	غلام دستگیر	۲
۲	نعت رسول مقبول ﷺ	سکندر لکھنوی	۴
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۵
۴	شہ لولاک وسیلہ کے آئینہ میں	الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی	۱۵
۵	دراسات الحسنیہ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۳
۶	نعت شریف	ڈاکٹر انور سدید	۲۳
۷	روح اسلام (تصوف)	ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴
۸	غزل	سیف زلفی	۴۴
۹	ارشاداتِ غوث الصمدانی رضی اللہ عنہ	مرتب: سید کامران شاہ بخاری	۴۵
۱۰	استفتاء (عورتوں کی امامت و جماعت)	مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزئی رحمۃ اللہ علیہ	۵۲
۱۱	تبصرہ کتب	شاہد ودود ایڈووکیٹ	۶۳

شذرہ

امنِ عامہ کی تشویشناک صورتحال

غلام دستگیر

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

کسی بھی معاشرہ میں امن وامان کی صورتحال کا تجزیہ کرنے سے پہلے اس کی مجموعی معاشی صورتحال کا بنظر غائر مطالعہ ضروری ہے۔ ہمارا موجودہ حکمران طبقہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی معاشی پالیسیوں کی ''کامیابیوں'' کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتا۔ کسی حد تک وہ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہے کیونکہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ملک کے خزانہ میں فارن ریزرو نے تیرہ (۱۳) بلین ڈالر کا ہدف عبور کیا جبکہ بین الاقوامی سطح پر بھی وفاقی حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کو پزیرائی ملی ہے۔

لیکن دوسری طرف اشیاء خورد ونوش سے لے کر پٹرول تک کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہو چکا ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ اربابِ اختیار ''سب اچھا'' کا راگ الاپ رہے ہوں اور غریب عوام فاقوں سے تنگ ہو کر خودکشی پر مجبور ہوں کو کس طرح معاشی ترقی کا دور کہا اور سمجھا جا سکتا ہے اور جن معاشی پالیسیوں کے ثمرات سے عام آدمی مستفید نہ ہو سکے کیا اسے کامیاب معاشی نظام کہا جا سکتا ہے؟

جس دور میں چھن جائے غریبوں کی کمائی
اس دور کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

صوبہ سرحد میں ملک کے دیگر صوبوں کی نسبت جرائم کی شرح کافی حد تک کم رہی ہے لیکن گزشتہ چند ماہ سے صوبائی دارالحکومت پشاور میں چوری اور ڈکیتی کی وارداتوں میں ناقابلِ بیان حد تک اضافہ ہوا ہے۔ موبائل فون چھیننے اور رہزنی کی وارداتیں عام ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان وارداتوں کے شکار لوگ پولیس کے تحقیر آمیز رویہ کے باعث متعلقہ تھانوں میں ان واقعات کی رپورٹ درج کروانے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ اور تھانوں کے انچارج افسرانِ بالا کو "مثالی امن وامان" کی رپورٹ بھیج کر ترقی کے زینے طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر باشعور اور ذمہ دار شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی متعلقہ حکام کے نوٹس میں لائے مگر عوام کا انصاف کے حصول کیلئے متعلقہ دفاتر کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا بھی دراصل قانون نافذ کرنے والے اداروں پر عدم اعتماد کی عکاسی کرتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل شہر کی اہم ترین شاہراہ جی ٹی سے ملحقہ ایک کالونی (تھانہ چمکنی کی حدود میں) ایک جوانسال کو رہزنوں نے مزاحمت پر قتل کر دیا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نوجوان کی قربانی بھی انتظامیہ کو خوابِ خرگوش سے بیدار نہ کر سکی اور اسی علاقہ میں اس دلخراش واقعہ کے بعد مزید چار رہزنی کی وارداتیں ہوئیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے پولیس جی ٹی روڈ جیسی اہم شاہراہ سے ملحق کالونی میں عوام کو تحفظ دینے سے قاصر ہے تو مضافاتی علاقوں کا کیا حال ہوگا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پولیس فورس کو پابند کیا جائے کہ وہ موبائل ٹیموں کی تعداد بڑھا کر گشت کے اوقات میں اضافہ کرے۔ نیز جرائم پیشہ عناصر پر بھی کڑی نظر رکھے۔ جبکہ صوبائی اور وفاقی حکومتوں پر بھی لازم ہے کہ ایسی اقتصادی پالیساں وضع کریں جو نوجوانوں کو باآسانی روزگار کے مواقع مہیا کرنے میں معاون ہوں۔ یہ پالیساں یقیناً جرائم کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کریں گی۔

نعت شریف

سکندر لکھنوی

جو عشقِ نبی کے جلووں کو سینوں میں بسایا کرتے ہیں
اللہ کی رحمت کے بادل ان لوگوں پہ سایہ کرتے ہیں

جب اپنے غلاموں کی آقا تقدیر بنایا کرتے ہیں
جنت کی سند دینے کیلئے روضے پہ بلایا کرتے ہیں

مخلوق کی بگڑی بنتی ہے، خالق کو بھی پیار آ جاتا ہے
جب بہر دعا محبوبِ خدا ہاتھوں کو اٹھایا کرتے ہیں

اے دولتِ عرفاں کے منگتو! اس در پہ چلو جس در پہ سدا
دن رات خزانے رحمت کے سرکار لٹایا کرتے ہیں

گرداب بلا میں پھنس کے کوئی طیبہ کی طرف جب تکتا ہے
سلطانِ مدینہ خود آ کر کشتی کو ترایا کرتے ہیں

وہ نزع کی سختی ہو اے دل، یا قبر کی مشکل منزل ہو
وہ اپنے غلاموں کی اکثر امداد کو آیا کرتے ہیں

ہے شغل ہمارا شام و سحر اور ناز سکندؔر قسمت پر
محفل میں رسول اکرم کی ہم نعت سنایا کرتے ہیں

گزشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نمبر ۴۰/۵ حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء حدثنا معاویۃ بن ھشام عن شیبان عن ابی اسحق عن عکرمۃ عن ابن عباس قَالَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَالْوَاقِعَۃُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَ عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ وَ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ

ترجمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے ھود، واقعہ، مرسلات، عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کی سورتوں کی تلاوت نے بوڑھا کردیا ہے۔

حل لغات شِبْتَ: واحد مذکر حاضر ہے، تو بوڑھا ہوگیا ہے۔

تشریح سورۂ ھود پارہ گیارہ اور بارہ میں، الواقعہ پارہ ستائیس میں، المرسلات پارہ انتیس میں عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْن اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَت تیسویں پارہ میں ہے۔

حدیث نمبر ۴۱/۶ حدثنا سفین بن وکیع حدثنا محمد بن بشر عن علی بن صالح عن ابی اسحق عن ابی حجیفۃ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَرٰکَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَ اِخْوَاتُھَا

ترجمہ جناب ابی جحیفہ نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آنجناب ﷺ بوڑھے نظر آرہے ہیں، جناب سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے سورہ ھود اور اسی طرح کی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

تشریح دوسری احادیث میں سورہ الحاقہ اور القارعہ اور الغاشیہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ابن سعد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

قال بينا ابو بكر و عمر جالسان نحو المنبر اذ طلع عليها رسول الله صلى الله عليه واله وسلم من بعض بيوت نسائه يمسح لحيته و يرفعها فينظر اليها قال انس و كان ابو بكر رجلا رقيقا و كان عمر رجلا شديدا فقال ابو بكر بابى و امى لقد اسرع فيک الشيب فرفع لحيته بيده فنظر اليها و ذرفت عينا ابى بكر ثم قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اجل شيبتنى هود و اخواتها قال ابو بكر بابى و امى ما اخواتها قال الواقعة والقارعة و سأل سائل و اذ الشمس كورت

یعنی کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر مسجد نبوی (مبارک) میں منبر شریف کے قریب تشریف فرما تھے، اچانک حضور پاک ﷺ اپنے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے، اس حال میں کہ داڑھی مبارک پر دست پاک پھیر رہے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جناب ابوبکر انتہائی نرم دل تھے اور جناب عمر سخت طبیعت تھے۔

جناب ابوبکر نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آنجناب ﷺ پر قربان! آپ تو بہت جلد بوڑھے ہو گئے اور جناب ابوبکر کی آنکھ سے سیلاب کی طرح آنسو امڈ آئے۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں سورہ ھود اور اسی طرح کی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ جناب ابوبکر نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اسی طرح کی سورتیں اور کون سی ہیں، حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا الواقعہ، القارعہ سأل سائل اور اذا الشمس کورت۔

حدیث نمبر ۴۲/۷ حدثنا علی بن حجر قال انبانا شعیب بن صفوان عن عبدالملک بن عمیر عن ایاد بن لقیط العجلی عن ابی رمثۃ التیمی تیم الرباب قَالَ اَتَیتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ مَعِیَ ابنٌ لِی قَالَ فَاُرِیتُہ‘ فَقُلتُ لَمَّا رَاَیتُہ‘ ھٰذَا نَبِیُّ اللّٰہِ وَ عَلَیہِ ثُوبَانِ اَخضَرَانِ وَ لَہ‘ شَعرٌ قَد عَلَاہُ الشَّیبُ وَ شَیبُہ‘ اَحمَر

ترجمہ ابی رمثہ تیمی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور میرا لڑکا میرے ساتھ تھا۔ ابی رمثہ نے کہا کہ مجھے حضور پاک ﷺ کی شناخت کروائی گئی۔ پس جس وقت میں نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا تو فوراً کہہ اٹھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آنجناب ﷺ نے اس وقت دو سبز رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے تھے۔ آپ کے چند موئے مبارک پر بڑھاپے کے آثار کا غلبہ تھا اور بڑھاپے کی علامت سرخ بال مبارک تھے۔

تشریح ابی رمثہ کا ارشاد ہے "مجھے حضور پاک ﷺ کی شناخت کروائی گئی" گویا وہ آنجناب ﷺ کو پہلے سے نہیں پہچانتے تھے۔ جب ابی رمثہ نے حضور رسولِ کریم ﷺ کا عظمت و شان والا نورانی چہرۂ اقدس دیکھا تو فوراً پکار اٹھے "یہی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔" جناب علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری "جمع الوسائل" جلد اول صفحہ ۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں

"و معناہ علمت یقینا انہ نبی اللہ من نور جمالہ العلی و ظھورہ کما لہ الجلی حیث لا یحتاج الی اظھار معجزۃ و اتیان برھان و محجمۃ"

یعنی ارشاد ہے اس وقت دو سبز کپڑے آپ ﷺ زیب تن فرماتے، ایک تو لنگی تھی اور دوسری چادر۔

جناب حضرت علامہ الشیخ ابراہیم بن محمد الیجوری المتوفی ۱۲۷۶ھ فرماتے ہیں

واللباس الاخضر ھو لباس اھل الجنۃ کما فی الخبر

یعنی سبز لباس جنتیوں کا لباس ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اور نیز ارشاد خداوندی بھی ہے وَ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا اور اہل جنت سبز کپڑے پہنے ہوں گے۔ ارشاد ہے آنجناب ﷺ کے چند موئے مبارک پر بڑھاپے کا غلبہ تھا۔ شعرٌ پر جو تنوین ہے یہ تقلیل کیلئے ہے، اسی وجہ سے معنی میں ''چند موئے مبارک'' کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے ''بڑھاپے کی علامت سرخ بال مبارک تھے'' یعنی چند بال مبارک سرخی مائل تھے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جو بال سفید ہونے لگیں وہ پہلے سیاہی سے سنہرا پن اختیار کرتے ہیں، پھر سفید ہو جاتے ہیں۔ ''جمع الوسائل'' میں حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری لکھتے ہیں:

''لان العادۃ اول ما یشیب اصول الشعر و ان
الشعر اذا قرب شیبہ صار احمر ثم ابیض''

جناب شارح شمائل شریف علامہ محمد عاقل صاحب لاہوری فرماتے ہیں

''سفیدیٔ او مائل بسرخی بودنہ از سببِ خضاب بلکہ عادت آنست چوں موی بسفیدی نزدیک
می شود اول سرخی می گردد و بعد از اں سفید خالص می شود، واللہ اعلم''

یعنی ان بالوں کی سفیدی مائل بسرخی تھی اور یہ سرخی خضاب کی نہیں تھی بلکہ بالوں کے رنگ تبدیل کرنے کی عادت ہی ایسی ہے کہ جب سفید ہونے لگتے ہیں تو پہلے سرخی مائل ہوتے ہیں پھر سفید ہو جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۳/۸ حدثنا احمد بن منیع حدثنا سریج بن النعمان حدثنا حماد بن سلمۃ عن سماک بن حرب قَالَ قِیْلَ لِجَابِرِ بْنِ سِمُرَۃَ اَمَّا کَانَ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ شَیْبٌ قَالَ لَمْ یَکُنْ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ شَیْبٌ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِیْ مَفْرِقِ رَأْسِہٖ اِذَا ادَّھَنَ وَ اَرَاھُنَّ الدُّھْنُ

ترجمہ سماک بن حرب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جابر بن سمرہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول کریم ﷺ کے سر اقدس میں سفید بال تھے، جابر بن سمرہ نے فرمایا جناب رسول اکرم ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال نہیں تھے بجز چند بالوں کے جو کہ مانگ میں تھے۔ جب آنجناب ﷺ سر اقدس پر

تیل لگاتے تھے تو وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔

تشریح چونکہ حضور پاک ﷺ کے سرِاقدس میں سفید بال بہت کم تھے اس لئے تیل لگانے کے بعد جب کنگھی فرماتے تو وہ چند سپید بال سیاہ بالوں کی تہوں میں چھپ جاتے اور دکھائی نہ دیتے۔ نیز اس حدیث مبارک میں سوال چونکہ صرف سرِاقدس کے بالوں کے بارے میں تھا اس لئے جناب جابر بن سمرہ نے جواب میں بھی صرف سرِمبارک کا ذکر کیا، داڑھی مبارک کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سفید بالوں کو اکھیڑنا اکثر علماء نے مکروہ فرمایا ہے جیسا کہ ایک مفروع حدیث ہے لا تنتفوا الشیب فانہ نور المسلم رواہ الاربعۃ و قالوا احسن یعنی سفید بالوں کو نہ اکھیڑو کیونکہ یہ نورِ مسلم ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ شَیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پورا ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اس باب میں حضور پاک ﷺ کے خضاب فرمانے کا بیان ہے۔

(اس باب میں چار احادیث ہیں)

حل لغات خِضَاب کے معنی بالوں کا رنگ تبدیل کرنا ہے، خَضَبَ: بالوں کا رنگنا۔

تشریح علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضور سرورِ عالم و عالمیان، پیغمبر اسلام ﷺ نے خضاب فرمایا تھا یا نہیں۔ حضرت علامہ شارح شمائل شریف جناب محمد عاقل صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

"اکثر علماء برآنند کہ مہتر عالم درود خدا بر و سلامتی خضاب ہرگز نکردہ، و بعضے برآنند کہ خضاب

کردہ واللہ اعلم"

یعنی اکثر علماء کا نظریہ ہے کہ حضور بہترینِ عالم ﷺ نے ہرگز خضاب نہیں کیا اور بعضے کہتے ہیں کہ خضاب کیا ہے--- واللہ اعلم۔

درحقیقت سید پاک ﷺ کے بالِ مبارک جو سرخی مائل تھے یا تو قدرتی تھے جیسا کہ سفیدی پر آنے سے پہلے ہوا کرتے ہیں یا حضور پاک ﷺ کے مہندی لگانے کی وجہ سے سرخ تھے، واللہ اعلم۔

حضرت سیدنا امیر المومنین ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق، حضرت سیدنا امیر المومنین عثمان غنی، حضرت سیدنا امیر المومنین امام حسن اور امام ہمام مظلوم کربلا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم نے خضاب کیا۔ سرخ خضاب پر علماء احناف کا اتفاق ہے کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر سیاہ خضاب سوائے موقع جہاد کے مکروہ ہے۔ الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مکروه (محیط) یعنی محیط میں ہے کہ سیاہ خضاب عام مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے۔

سرخ خضاب شافعیہ کے نزدیک سنت ہے اور سیاہ حرام ہے۔ حضرت علامہ ابراہیم بن محمد الیجوری المتوفی ۱۲۷۶ھ "المواہب اللدنیہ" میں تحریر فرماتے ہیں

و عندنا معاشر الشافعیه بغیر السود سنة و بالسواد حرام یدل لنا ما فی الصحیحین لما جئی بابی قحافة یوم الفتح للنبی صلی اللہ علیه واله وسلم و لحیته و راسه کالثغامة بیاضاً فقال غیر و هذا بشئ واجتنبوا السواد

یعنی ہم علماء شافعیہ کے نزدیک سیاہ خضاب حرام ہے اور غیر از سیاہ سنت ہے اس پر ہمارے نزدیک وہ حدیث جو صحیحین میں دلیل ہے جس میں ارشاد ہے فتحِ مکہ کے دن ابی قحافہ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا جبکہ ان کی داڑھی اور سر مبارک بالکل سفید تھا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا اس سفیدی کو کسی شے کے ساتھ بدلو اور سیاہ کرنے سے بچو۔

حدیث نمبر ۱/۴۴ حدثنا احمد بن منیع حدثنا هشیم حدثنا عبدالملک بن عمیر

عن ایاد بن لقیط قال اخبرنی ابو رمثه قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنٍ لِّیْ فَقَالَ ابْنُکَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ لَا یَجْنِیْ عَلَیْکَ وَ لَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ قَالَ وَ رَاَیْتُ الشَّیْبَ اَحْمَرَ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰذَا اَحْسَنُ شَیْءٍ رُوِیَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَ اَفْسَرُ لِاَنَّ الرِّوَایَاتِ الصَّحِیْحَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْلُغِ الشَّیْبَ وَ اَبُوْ رِمْثَةَ اسْمُهٗ رِفَاعَةُ ابْنُ یَثْرِبِیِّ التَّیْمِیُّ

ترجمہ ابو رمثہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے لڑکے کے ہمراہ حضور پاک ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، تو حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور یہ میرا بیٹا ہے، آنجناب ﷺ بھی اس کے گواہ ہیں۔ سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا تیرے بیٹے کے قصور کا تجھ سے اور تیرے قصور کا تیرے بیٹے سے مواخذہ نہ ہوگا۔ ابو رمثہ فرماتے ہیں اس وقت میں نے حضور سرور عالم و عالمیان ﷺ کے چند بالوں کو مائل بسرخ دیکھا۔ ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ اس باب میں یہ سب سے صحیح روایت کی گئی ہے اور واضح ہے روایاتِ صحیحہ ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ بڑھاپے کو نہیں پہنچے تھے اور ابو رمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی التیمی ہے۔

حلِ لغات یَجْنِیْ: جِنَایَةٌ سے ہے جس کے معنی قصور کرنا یا جرم کرنا ہے۔ اَفْسَرُ: تفسیر، واضح۔

تشریح ارشاد ہے کہ "کیا یہ تیرا بیٹا ہے" اور ابو رمثہ کا جواباً عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ﷺ آنجناب گواہ رہیں کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔ جاہلی دور میں عربوں کا عام طریقہ تھا کہ اگر باپ کوئی قصور یا جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کا بیٹا اس کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا اور اسی طرح اگر بیٹا قصور یا جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کا باپ اس کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا۔ لہٰذا ابو رمثہ نے یہ بات اسی نکتہ نظر سے عرض کی یہ میرا اپنا صلبی بیٹا ہے، اگر مجھ سے کوئی جرم یا قصور ہو جائے تو عربوں کے عام طریقہ کے مطابق میرے اس لڑکے سے ہی بدلہ پورا ہو۔ سید المرسلین، شفیقِ امت، صاحبِ عدل و انصاف نبی مکرم ﷺ نے عربوں کے اس طریق

جاہلیت کو کلیتاً رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''تیرے بیٹے کے قصور کا تجھ سے اور تیرے قصور کا تیرے بیٹے سے مواخذہ نہ ہوگا'' یعنی دینِ اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اب اس میں دورِ جاہلیت کا کوئی ظلم یا کسی قسم کی زیادتی کا طریقہ جاری نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی رہ سکتا ہے۔ دینِ محمدی ﷺ کا یہ طریقہ نہیں کہ قصور یا جرم تو ایک شخص کرے اور سزا دوسرا بھگتے۔ بلکہ جو جرم یا قصور کرے گا وہی قابلِ سزا ہے۔ اسلام کے طریقہ میں لا تزر وازرۃ و زر اخری (کوئی شخص دوسرے کے بوجھ کا ذمہ دار نہیں) کا حکم ہے۔ جناب ابورمثہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضور سرورِ عالم وعالمیان ﷺ کے چند بالوں کو مائل بسرخی دیکھا۔''

حضرت علامہ مولانا مولوی محمد عاقل صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''حلاوۃ المتعلمین'' شرح شمائل شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

''درابتدا شیب اول موی سرخ می شود و بعد ازاں سفید خالص و ایں مبنی برآنست کہ موی سفید مبارک مخضوب نہ بود، واللہ اعلم۔''

یعنی بڑھاپے کی ابتدا میں بال سرخی مائل ہوتے ہیں اور اس کے بعد سفید ہو جاتے ہیں اور یہ اس پر مبنی ہے کہ حضور پاک ﷺ کی بال مبارک خضاب والے نہ تھے -- واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۵/۲ حدثنا سفین بن وکیع قال اخبرنا ابی عن شریک عن عثمان بن موھب قَالَ سُئِلَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَ رَوٰی اَبُوْ عَوَانَةَ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ

ترجمہ عثمان بن وہب فرماتے ہیں کہ جناب ابوہریرہ سے کسی صاحب نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے خضاب کیا تھا تو ابوہریرہ نے کہا کہ ہاں۔

تشریح حضرت مولانا مولوی محمد عاقل صاحب لاہوری اپنی کتاب ''حلاوۃ المتعلمین'' میں لکھتے ہیں

''بدانکہ ایں حدیث در ظاہر مخالف می نماید بحدیثِ قتادہ کہ بالا گزشت چرا کہ در وے نفی خضاب صریح است و در ایں جا اثبات آں۔ پس بعضے علماء توفیق دادہ اند بایں وجہ کہ رسولِ خدا درود خدا بر و سلامتے در بعضے اوقات صداع، حنارا بسر مبارکِ خود می میلد، بنا بر آں موی مبارک او ملون می شد و مردم گماں می بردند کہ حضرت خضاب کردہ است و در حقیقت خضاب متعارف نبود و احتمال است کہ نفی و اثبات بر اختلاف اوقات باشد۔ یک وقتے کردہ باشد و اکثر اوقات نکردہ پس رعایت ہر یکے بر وفق معاینہ اوست -- واللہ اعلم''

یعنی جان لے کہ یہ حدیث ظاہر طور پر قتادہ کی حدیث کی مخالف نظر آ رہی ہے جو کہ پہلے گزر چکی ہے کیونکہ اس میں صریح طور پر خضاب کرنے کی نفی ہے اور اس حدیث میں اثبات ہے۔ لہٰذا بعض علماء کرام نے دونوں میں اس طرح توفیق کی ہے کہ بعض وقت حضور پاک ﷺ سر اقدس میں درد کی وجہ سے مہندی لگاتے۔ اس سے آنحضور ﷺ کے بالوں مبارک کا رنگ بدل جاتا تو دیکھنے والے گمان کرتے کہ خضاب فرمایا ہے۔ درحقیقت خضاب متعارف نہ تھا۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اختلافِ اوقات کی بناء پر نفی و اثبات ہے کسی ایک وقت کیا ہو اور اکثر اوقات نہیں کیا لہٰذا جس نے دیکھا ویسے ہی بتایا -- واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۶/۳ حدثنا ابراهيم بن هرون قال انبانا النضر بن زرارة عن ابى جناب عن اياد بن لقيط عن الجهذمة امرة بشير بن الخصاصية قَالَتْ اَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يَنْفُضُ رَأْسَه' وَ قَدِ اغْتَسَلَ وَ بِرَاْسِهٖ رَدْعٌ اَوْ قَالَ رَدْعٌ مِنْ حَنَاءٍ شَكَّ فِىْ هٰذَا الشَّيْخُ

ترجمہ جہذمہ جو کہ بشیر بن الخاصیہ کی بیوی ہے روایت کرتی ہے فرماتی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو گھر (مبارک) سے تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ سر اقدس جھاڑ رہے تھے اور غسل کیا ہوا تھا اور آنجناب ﷺ کے سر اقدس پر حنا کا داغ تھا۔ صاحب ترمذی کے شیخ ابراہیم بن ہارون نے ردع کہا یا ردغ کہا اس میں صاحب ترمذی کو شک ہے۔

حل لغات يَنْفُضُ: وہ جھاڑتے تھے، نَفَضَ ماضی ہے، يَنْفُضُ مضارع ہے اور نَفْضٌ مصدر ہے جس کے معنی جھاڑنا، ہلانا اور لرزنا کے ہیں، رَدْعٌ اصل میں زعفران کو کہتے ہیں جس کپڑے میں لتھڑی ہوئی ہو اس کو رَدْعٌ کہتے ہیں۔ رَدْغٌ: کیچڑ۔

تشریح حضرت شارح شمائل شریف مولانا مولوی محمد عاقل صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

''پس باید دانست کہ علماء محققین اتفاق کردہ اند کہ رَدْغٌ بغین معجمہ غلط است وصحیح رَدْعٌ بعین مہملہ است وگفتہ اند کہ اہلِ لغت اتفاق دارند برانکہ رَدْعٌ بعینِ مہملہ لمعہ وقطعہ است از زعفران یا حنا ورَدْغٌ بغین معجمہ طین است، پس معنی ثانی مناسب ندارد۔۔۔ واللہ اعلم''

یعنی خوب اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ علماء محققین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ رَدْغٌ غین معجمہ کے ساتھ غلط ہے اور صحیح رَدْعٌ عین مہملہ کے ساتھ ہے اور علماء محققین نے فرمایا کہ اہل لغت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ رَدْعٌ عین مہملہ کے ساتھ کے معنی لمعہ ہے یا قطعہ ہے جو کہ زعفران یا حنا کا ہوتا ہے اور رَدْغٌ غین معجمہ کے ساتھ کے معنی طین یعنی کیچڑ ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا معنی یعنی کیچڑ قطعاً مناسب نہیں ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۷/۴ حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن انبأنا عمرو بن عاصم حدثنا حماد بن سلمة انبانا حميد عن انس قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا قَالَ حَمَّادٌ وَ اَخْبَرَنَا عبداللہ بن محمد بن عقيل قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا

ترجمہ جناب انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک خضاب کئے ہوئے دیکھے۔ نیز حماد نے کہا کہ ہمیں خبر دی عبداللہ بن محمد بن عقیل نے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب انس بن مالک کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خضاب شدہ بال مبارک دیکھا۔

تشریح جناب محدث کبیر احمد عبدالجواد الدومی ''الاتحاف الربانیہ بشرح الشمائل المحمدیہ'' (باقی صفحہ ۳۲ پر)

قسط نمبر ۳

شہ لولاک وسیلہ کے آئینہ میں

پرنسپل (ریٹائرڈ) الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی

اصطلاح میں کسی چیز کے ذریعہ کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔ یہاں وسیلہ کے تمام معانی بن سکتے ہیں مگر آخری معنی یعنی ''ذریعہ'' قوی ہے۔ وسیلہ عام ہے حضراتِ اولیاء، انبیاء، نیک اعمال، ان حضرات کے تبرکات سب ہی اس میں شامل ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں اعمال کے علاوہ دوسرے وسیلے مراد ہیں کیونکہ اعمال تو اتَّقُوا اللہَ میں آ گئے۔ تقویٰ کے بعد وسیلہ کی تلاش کا حکم دے کر بتایا گیا ہے کہ کوئی متقی تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر خدارسی کیلئے وسیلہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے قدم سے سٹیشن تک پہنچ سکتے ہیں، مکہ معظمہ نہیں پہنچ سکتے۔ وہاں جانے کیلئے کسی خاص سواری کی حاجت ہے۔ یوں ہی تقویٰ کے قدم سے براہِ راست رب تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدارسی کیلئے کسی وسیلہ عظمٰی کی ضرورت ہے۔ تقویٰ سے وسیلہ تک پہنچو، وسیلہ سے رب تک۔ کوئی متقی مسلمان یہ نہ سمجھے کہ میں تو متقی ہو گیا اب مجھے خدارسی کیلئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسے ہر مومن اعمال و تقویٰ کا حاجتمند ہے یوں ہی ہر متقی وسیلہ کا محتاج ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ یہ چوتھا حکم ہے جو وسیلہ تلاش کرنے کے حکم کے بعد دیا گیا ہے جَاهِدُوْا بنا ہے مجاہدہ سے جس کا مادہ جہد ہے بمعنی مشقت۔ جہاد کو بھی جہاد اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں مشقت ہوتی ہے۔ یہاں یا تو جہاد مراد ہے تو سبیلہ کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ یا تلاش میں محنت و مشقت کرنا مراد ہے اس صورت میں یہ ضمیر یا تو وسیلہ کی طرف ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف یا تقویٰ کی طرف۔

لہٰذا اس عبارت کی چار تفسیریں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، یا وسیلہ کی راہ میں کوشش کرنا یا تقویٰ کی راہ میں سعی یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا۔ لہٰذا یہ کلمہ بہت جامع ہے۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اس میں لَعَلَّ ہمارے لئے بمعنی امید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے یقین کیلئے ہے۔ یعنی اس امید سے

یہ کام کرو کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ تفسیر کا حاصلِ کلام بیان کرتے ہوئے حضرت العلامہ مفتی صاحب یوں رقم کرتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں مسلمانوں کو تین چیزوں کا حکم دے کر ایک نتیجہ ارشاد فرمایا۔ تقویٰ وسیلہ کی تلاش، مجاہدہ کا حکم اور فلاح وکامیابی کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے وہ لوگو، یا اے وہ مخلوق جو ایمان لا چکے ہو! اللہ سے ڈرو کہ اس کی اور اس کے محبوب ﷺ کے حکم کی پیروی کرو اور صرف اپنے تقویٰ پر ہی بھروسہ نہ کرو کہ صرف ایمان اور تقویٰ رب تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ رب تک پہنچنے کیلئے وسیلہ کی تلاش کرو جس کے ذریعہ تمہارے ایمان اور اعمال بخیریتِ تمام منزل مقصود تک پہنچیں اور وسیلہ کی تلاش میں کوشش ومشقت کرو تاکہ تم دین ودنیا میں کامیاب رہو۔ خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتا نہیں، اس کے ملنے کے مقامات خاص ہیں۔ لہٰذا رب کی تلاش کیلئے ان مقامات پر جانا ضروری ہے۔ وسیلہ کی تلاش کیلئے تم اس کے پاس جاؤ گے، وسیلہ تمہارے پاس نہیں آئیگا جیسے موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے خود گئے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام خود ان کے پاس نہیں آئے، یہ قانونِ قدرت ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں اللہ پاک نے پہلے ایمان کا پھر تقویٰ کا ذکر فرمایا کیونکہ ایمان کے بغیر تقویٰ بیکار ہے۔ نیز ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے۔ پھر تقویٰ کے ساتھ تلاشِ وسیلہ بھی لازم ہے تاکہ ایمان کی دولت محفوظ رہے کہ ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ راستے میں شیطان ڈاکہ نہ ڈال لے۔ نیز ہمارے اعمال، وسیلہ کی برکت سے قابل قبول ہو جائیں''

وسیلہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت العلامہ مفتی احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام تا حضور خاتم النبیین ﷺ ہر دین میں ہر امت کے اکابرین، صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ رب تعالیٰ تک رسائی کیلئے حضرات انبیاء، اولیاء بلکہ ان کے تبرکات بھی وسیلہ ہیں، سب کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ اس ملت اسلامیہ میں ابن تیمیہ

وہ پہلا شخص ہے جس نے وسیلہ انبیاء واولیاء کا انکار کیا اور کہا کہ وسیلہ صرف اپنے ایمان واعمال کا چاہئے، ان کے سوا کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں، ابن تیمیہ کے معتقدین (اہلحدیث) کے اس کے متعلق دو گروہ ہو گئے۔ ایک کہتا ہے زندہ نبیوں، ولیوں کا توسل جائز ہے، وفات یافتہ کا توسل جائز نہیں۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ توسلِ عباد مطلقاً حرام ہے بلکہ شرک ہے۔

وسیلہ کے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے چند قسم کے توسل ثابت ہیں:

۱: حضور ﷺ کی ولادت پاک سے پہلے حضور ﷺ کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح مانگنا۔

۲: مقبول بندوں کی حیات شریفہ میں ان کا وسیلہ اختیار کرنا۔

۳: بزرگوں کی وفات کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا۔

۴: بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنا، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا (یوسف: ۹۳) یعنی میری یہ قمیص لے جاؤ اور ابا جان کے چہرہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ یہ ہے زندہ نبی کے تبرکات کا وسیلہ۔

بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم تابوت سکینہ کو جہاد میں اپنے ساتھ رکھو، فتح پاؤ گے۔ اس تابوت میں کیا تھا۔ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط (البقرۃ: ۲۴۸) یعنی اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین وسکون ہے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات۔

اس ارشاد میں وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے۔ مزید وضاحت کرتے

ہوئے حضرت العلامہ مفتی صاحب قران پاک کی آیات سے حوالے دیتے ہیں

۱: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ ط (الانفال: ۳۳) "اے محبوب ﷺ آپ کے ہوتے ہوئے ہم ان پر عذاب نہیں بھیجیں گے"

۲: لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا اَلِيْمًا (الفتح: ۲۵) "اگر مکہ سے یہ مسلمان نکل جاتے تو ہم کفار مکہ کو عذاب دے دیتے"

۳: يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ (بنی اسرائیل: ۵۷) "یہ لوگ خود اس کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں جو ان میں سے اللہ سے زیادہ قرب والا ہو"

اس قسم کی بائیس آیات وسیلہ کی ہیں۔

اب ملاحظہ کیجئے حضور ﷺ کے تبرکات کہ جن کے توسل سے صحابہ کرام اپنی مشکلات کا حل پالیتے تھے۔ حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا تھا جس سے منہ (مبارک) لگا حضور ﷺ نے پانی پیا تھا۔ مدینہ کے بیماروں کو یہ چمڑے کا ٹکڑا دھو کر پلاتی تھیں، انہیں شفا ہوتی تھی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا میرے حجرے کی چھت کھول دو جس میں حضور انور ﷺ کی قبر انور ہے۔ چھت کھولنا تھا کہ خوب بارش ہوئی۔ اس قسم کی صدہا احادیث ہیں جن میں حضور ﷺ کے نام اور حضور ﷺ کے تبرکات سے توسل ثابت ہے۔ قیامت میں وسیلہ کی تلاش پہلے ہوگی۔ وہاں کا کاروبارِ حساب کتاب بعد میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہم فقیر محتاج۔ جب رب تعالیٰ غنی ہو کر بغیر وسیلہ ہم کو دنیاوی اور دینی نعمت نہیں دیتا تو ہم محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس نے ہم کو ہستی دی تو ماں باپ کے ذریعہ، علم دیا استاد کے ذریعہ، مال دیا مالداروں کے وسیلہ سے، شفا دی حکیم کے وسیلہ سے، موت دی تو ملک الموت کے وسیلہ سے، ہم کو ایمان، قرآن، رحمت رحمٰن ملی تو حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے۔

بزرگوں کا وسیلہ وہ نعمت ہے جسکا فیض جانوروں بلکہ زمین و زمان کو حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کے وسیلہ سے عظمت والا ہوا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی سرزمین حضور ﷺ کے وسیلہ

سے عظمت والی ہوئی حتیٰ کہ رب العزت نے شہر مکہ کی قسم فرمائی۔ اسلئے کہ وہاں حضور ﷺ جلوہ گر تھے۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ، وَ اَنْتَ حِلٌّ، بِھٰذَا الْبَلَدِ (البلد: ۱-۲)

بہر حال بزرگوں کا وسیلہ ایسا اہم مسئلہ ہے جس پر عقل ونقل، قرآن واحادیث شاہد ہیں، مخالفین کے پاس ایک آیت، ایک حدیث ایسی نہیں جس کا ترجمہ ہو کہ بزرگوں کا وسیلہ نہ پکڑو۔ صرف عقلی ڈھکوسلے ہیں جن سے وہ آیات واحادیث کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر صاوی شریف میں ہے کہ وہ لوگ گمراہ اور بدنصیب ہیں جو مسلمانوں کو اولیاء کی زیارت کی وجہ سے کافر ومشرک کہتے ہیں اور زیارتِ اولیاء کو عبادِ غیر اللہ قرار دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے چند فوائد حضرت العلامہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں لکھتے ہیں

"۱: مسلمانوں کو نیک اعمال کے ساتھ کوئی اور وسیلہ بھی ڈھونڈنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ اَتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ سارے نیک اعمال تو اتَّقُوا اللّٰہَ میں داخل ہیں پھر وسیلہ کیا چیز ہے۔ وہ وسیلہ مقبول ہی تو ہے اس لئے بزرگان دین کی بیعت عہدِ صحابہ سے آج تک کی جاتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ صرف نگاہِ مقبول سے بغیر اعمال بخشش ہوگئی جیسے فرعونی جادوگر یا حضور ﷺ کے والدین یا وہ حضرات صحابہ جو بغیر کسی عمل کے وفات پاگئے۔ مگر اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ صرف نیک اعمال سے بغیر توسلِ مقبولین نجات ہوگئی۔ ابلیس کے پاس اعمال تھے توسل نہ تھا مارا گیا۔

۲: وسیلہ حاصل کرنے کیلئے تلاش ضروری ہے۔ گھر بیٹھے وسیلہ ہر ایک کو نہیں مل جاتا ہے۔ یہ فائدہ وَ ابْتَغُوْٓا فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھا گیا ہے کہ طالبین مولیٰ تلاشِ شیخ کرتے ہیں اس تلاش کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔

۳: تلاشِ وسیلہ میں مشقتیں بھی جھیلنا پڑیں تو ضرور جھیلنی چاہئیں۔ یہ فائدہ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور بڑی مشقت اٹھائی۔ خود فرمایا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَبًا (الکہف: ۶۲)

۴: زندہ بزرگوں سے ملاقات کیلئے سفر کرنا، وفات یافتہ بزرگوں کے مزارات پر سفر کر کے حاضری دینا، وہاں جا کر رب تعالیٰ سے دعا کرنا ان کے وسیلہ سے، نیز مدینہ منورہ سفر کر کے جانا، عرسِ بزرگان میں سفر کر کے حاضر ہونا سب بہت ہی بہتر ہے۔ ان سفروں کا ماخذ یہی آیت ہے، یہ بھی تلاش وسیلہ ہے۔ ''شامی'' میں ہے کہ جب علاج کیلئے ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس سفر کر کے جانا جائز ہے تو مقبول بندوں کے مزارات پر سفر کر کے جانا بھی جائز ہے۔ صاحبِ مزارات کے فیوض متفاوت ہیں کیونکہ بزرگوں کے عرسوں میں علماء اور اولیاء کا اجتماع ہوتا ہے، وہاں حاضری سے بہت بزرگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور پر مدینہ پاک سے تشریف لے گئے حالانکہ بی بی آمنہ کی قبر مبارک مدینہ منورہ سے قریباً دو سو میل دور ہے۔''

حضرت حکیم الامت مفتی نعیمی صاحب یہاں پر چند علماء کے اعتراضات اور ان کے جواب رقم کرتے ہیں جو طالبانِ حقیقت کیلئے باعث رشد و ہدایت ہیں۔

''ا: بندوں کا وسیلہ کوئی چیز نہیں صرف اپنے اعمال کا وسیلہ چاہئے۔ یہاں اس آیت میں وسیلہ سے مراد نیک اعمال کا وسیلہ (دیوبندی مکتبِ فکر)۔ جواب: یہ غلط ہے اعمال کے ساتھ بزرگوں کا وسیلہ بھی ضروری ہے۔ سارے نیک اعمال تو اتَّقُوا اللهَ میں آچکے پھر وسیلہ کا حکم ہوا۔ یہاں بزرگوں کا وسیلہ ضرور مراد ہے۔ حضور ﷺ بارگاہِ الٰہی میں یقیناً مقبول اور ہمارے اعمال نہ معلوم کہ مقبول ہیں یا نہیں۔ تعجب ہے کہ ہمارے مشکوک اعمال تو خدا رسی کا وسیلہ ہو جاویں اور مقبول بندے یعنی حضور ﷺ اور ان کے وارثین علماء و اولیاء وسیلہ نہ بنیں، اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔''

بعض انتہا پسند حضرات کہتے ہیں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ بغیر وسیلہ ہر چیز ہم کو دے سکتا ہے۔ وسیلہ ماننا خدا تعالیٰ کو مجبور ماننا ہے لہٰذا وسیلہ اولیاء شرک ہے۔ حضرت مفتی نعیمی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''۲: وہ تو قادر ہے مگر ہم مجبور ہیں ہم بغیر وسیلہ اس سے نہیں لے سکتے۔ ہر کام کے کرنے کیلئے وسیلہ ضروری ہے۔ بچے کی پیدائش کے سلسلہ میں ماں باپ کا توسل لازمی ہے۔

''۳: اگر ہم کو حضور کے وسیلہ کی ضرورت ہے تو نبی کریم کو بھی ہمارے وسیلے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اے میرے بھائی مکہ معظمہ پہنچ کر میرے لئے بھی دعا کرنا۔ ہم کو حکم ہے درود شریف پڑھو۔ درود کیا ہے حضور ﷺ کیلئے رحمت کی دعا۔ ہم کو حکم ہے کہ اذان کے بعد حضور ﷺ کیلئے وسیلہ ملنے کی دعا کریں۔ اگر حضور ہم سے بے نیاز ہیں تو ہم دعا کیوں کرتے ہیں۔''

نوٹ: یہ اعتراض تفسیر روح المعانی نے بھی خاص انداز میں کیا ہے۔ وہ بھی وسیلہ کے منکر ہیں، ابن تیمیہ کے پیروکار ہیں۔ اس اعتراض کا جواب حضرت العلامہ مفتی احمد یار خان صاحب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ ہماری ان دعاؤں کے ہرگز حاجتمند نہیں۔ ہم دعائیں کریں یا نہ کریں حضور نبی کریم ﷺ پر رحمتوں کی بارش ہر وقت ہو رہی ہے۔ رب تعالیٰ نے ہم کو درود شریف کا حکم دینے سے پہلے فرمادیا اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تو درود بھیجتے ہی ہیں تم بھی ان کیلئے دعائیں کرو تا کہ رحمت کی جو بارش ان پر ہو رہی ہے اس کا چھینٹا تم پر ماردیا جائے۔ رب تعالیٰ کی الوہیت، رزاقیت، سمع و بصر ہماری عبادت ہماری مرزوقیت پر موقوف نہیں۔ سورج کی نورانیت ہمارے نور لینے پر موقوف نہیں یونہی حضور ﷺ کی نبوت، حضور ﷺ کے درجات، ہماری کوششوں کی مرہونِ منت نہیں۔''

چوتھا اعتراض: بعض دیوبندی حضرات فرماتے ہیں قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ، کنعان کو نوح علیہ السلام کا وسیلہ عبداللہ بن ابی منافق کیلئے حضور ﷺ کی چادر و تہبند کا وسیلہ کچھ کام نہ آیا۔ یہ سب مردود ہی رہے۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ انبیاء کوئی چیز نہیں، اپنے اعمال کا وسیلہ چاہیے۔

جواب: بے شک کفار اور منکرین کو وسیلہ انبیاء و اولیاء مفید نہیں۔ وسیلہ تو مومنوں اور چاہنے والوں کیلئے

فائدہ مند ہے۔ سورج اندھے کو، بارش زمینِ شور کو، اعلیٰ درجہ کی دوا و غذا مردہ کو فائدہ نہیں دیتی۔ اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں بیکار ہیں بلکہ اس لئے کہ لینے والے میں فیض حاصل کرنے کی قابلیت نہیں۔

پانچواں اعتراض: بعض مریض الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ مشرکین و کفار اس وسیلہ کی بیماری میں گرفتار ہیں۔ ان کا شرک و کفر یہی ہے کہ وہ خدارسی کیلئے بتوں کو وسیلہ مانتے تھے۔ تم بھی اسی وسیلہ بازی کے بیمار ہو، تم بھی مشرک ہو، قرآن کریم فرماتا ہے کہ مشرکین کہتے ہیں مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر: ۳) یعنی ہم بتوں کو اسلئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔ دیکھو یہ توسل ہی شرک ٹھہرایا گیا۔

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں

''اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ مشرکین مردودوں کو خدارسی کا وسیلہ بنا کر مشرک ہوئے ہم مقبولینِ بارگاہ الٰہی کو وسیلہ بنا کر مومن بنے۔ کعبہ کی طرف سجدہ کرنا، آبِ زمزم کا احترام کرنا ایمان ہے۔ بتوں کی طرف سجدہ، گنگا جل کی تعظیم کفر ہے۔ مشرکین ان وسیلوں کی عبادت کرنے لگے۔ انہیں مستقل معبود و رب مان بیٹھے۔ رب تعالیٰ کو ان کا محتاج ماننے لگے۔ لہٰذا مشرک ہوئے جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے۔ غیر خدا کی عبادت شرک ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان کسی پیر پیغمبر کی نہ تو پوجا کرتے ہیں، نہ انہیں خدا مانتے ہیں بلکہ ان کو خالص بندہ اور عام بندوں کا وسیلہ عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ غرضیکہ وسیلہ وسیلہ ہے اور مقصود مقصود۔''

انکارِ وسیلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مفتی نعیمی صاحب فرماتے ہیں

''انکارِ وسیلہ کے مسئلہ پر اہل حدیث، اور مرزائی بالکل متفق ہیں۔ اس کی آیت کی تفسیر میں مولوی محمد علی لاہوری مرزائی نے اولیاء اللہ کے وسیلہ کو شرک لکھا ہے۔ ان سے توسل کرنے والوں کو مشرکین کہا (تفسیر بیان القرآن از مولوی محمد علی)۔ دیوبندی حضرات کی کتاب ''راہِ سنت'' میں ہے کہ خواجہ اجمیری وغیرہ کسی بزرگ کے مزار پر جا کر ان کے توسل سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنا، زنا اور چوری سے بدتر گناہ ہے۔ غرضیکہ انکارِ وسیلہ کے سلسلہ میں دونوں مکتبِ فکر کے لوگ یکساں ہیں۔''

(جاری ہے)

گزشتہ سے پیوستہ

دِرَاسَاتُ الْحَسَنِیَّہ

قرآن مجید کی عظمت

(قرآن و احادیث کی روشنی میں)

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سیدنا محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

مکہ مکرمہ میں حضور سید عالم ﷺ نے زید بن ارقم مخزومی کے گھر کو تلاوت خانہ مقرر کر رکھا تھا۔ یہاں رسول کریم ﷺ نے تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کی جماعتیں قائم کر رکھی تھیں جن میں بنفس نفیس شرکت فرماتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں تلاوتِ قرآن پاک کیلئے ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ مسجدِ نبوی میں ایک چبوترہ تھا جو ''صفہ'' کے نام سے مشہور تھا یہاں وہ صحابہ کرام اقامت گزیں تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کیلئے وقف کر رکھا تھا اور جو حضور رسالت مآب ﷺ کی صحبت فیض بار سے مستفیض ہونا دو جہان کی سعادت سمجھتے تھے۔ جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی آپ اسے یاد کر لیتے پھر اصحابِ صفہ کو حفظ کروا دیتے۔ صحابہ کرام کی یہ جماعت مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں پھر کر دوسرے صحابہ کو وہ آیاتِ طیبہ یاد کرواتے۔

اصحابِ صفہ کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت ایسی تھی جس کے افراد باری باری حضور ﷺ

کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے۔ آیاتِ کریمہ حفظ کرتے اور پھر دوسرے صحابہ تک یہ پیغامِ ربانی پہنچاتے۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایسے مقام پر رہتے تھے جہاں ایک انصاری ان کے ہمسایہ تھے جس کے ساتھ آپ نے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ دونوں باری باری حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں حاضر ہوا کریں گے جو کچھ وحی الٰہی سے سنیں گے یاد رکھیں گے اور اس سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں گے۔ (بخاری شریف)

حفظِ قرآن مجید کی اہم ترین وجہ نماز میں آیاتِ کریمہ کی تلاوت ہے۔ اس امر کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام حفظ کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ امورِ ضروریہ سے فراغت حاصل کر کے تلاوتِ قرآن اور نماز میں مشغول رہتے، قرآن مبین نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ راتیں حضور باری تعالیٰ میں نماز ادا کرتے گزار دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا (الفرقان: ۶۴)

ترجمہ: اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کیلئے سجدے اور قیام میں۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس قرآن حفظ کروایا۔ آپ انکی قرأت کو پسند فرماتے تھے۔ صاحبِ اتقان فرماتے ہیں بخاری نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے انہوں نے کہا "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے

"قراٰتوں کو چار شخصوں سے سیکھو: عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب سے۔"

ان میں پہلے تو دو مہاجر ہیں اور دوسرے دو انصاری ہیں۔ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد واقع ہونے والی حالت کی اطلاع دینی چاہی ہو یعنی یہ بتانا منظور نظر ہوا کہ یہ چار صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں گے اور تعلیم قرآن کا مرکز بنیں گے۔ نیز لکھا

"یہ لوگ تعلیم قرآن کے ساتھ منفرد نہیں ہوئے بلکہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ قرأتِ قرآن کے ماہر ہوئے وہ ان لوگوں سے دو چند سہ چند تھے" (اتقان فی علوم القرآن)

یہ بات انتہائی قابلِ توجہ ہے کہ قراء ان لوگوں کو کہتے ہیں جو قرآن شریف حفظ کرتے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھلانے کیلئے مشہور ہوں، صاحب فتح الباری رحمۃ الباری فرماتے ہیں

"الذین اشتھروا بحفظ القرآن والتصدی التعلیمہ"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انتہائی کوشش ہوتی کہ وہ زیادہ سے زیادہ قرآن شریف حفظ کریں تاکہ وہ اپنی نمازوں میں کثرت سے تلاوت کرسکیں بلکہ وہ صحابی رسول جس کو زیادہ قرآن پاک حفظ ہوتا نماز باجماعت میں امام مقرر کیا جاتا۔ ابوداؤد کی ایک روایت ہے:

عن عمرو بن سلمة قال کنا بحاضر یمربنا الناس اذا اتوا النبی صلی اللہ علیه واله وسلم فکانوا اذا رجعوا امروبنا فاخبرونا انا رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم قال کذا و کذا و کنت غلاما حافظ فحفظت من ذالک قرآن کثیرا فانطلق ابی وافدا الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم فی نفر من قومه فعلمھم الصلوٰۃ و قال یؤمکم اقرؤکم فکنت اقروھم لما کنت احفظ فقدمونی فکنت اومھم"

"عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار کسی مقام پر قیام کئے ہوئے تھے جو پانی کے قریب تھا اور جو لوگ حضور سید دو عالم نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے وہ اسی راستے پر سے گزرتے جو ہمارے پاس سے گزرتا تھا۔ جب یہ لوگ واپس ہوتے تو ہمیں وہ تمام وحی الٰہی جو حضور ﷺ سے سن کر آتے تھے سناتے تھے۔ میں اگرچہ بچہ ہی تھا پر میری قوتِ حافظہ بہت اچھی تھی۔ میں جو سنتا جاتا تھا حفظ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ کافی قرآن مجید اسی طرح حفظ کرلیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میرا باپ قوم کے معززین کا ایک وفد لے کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کو مسلمان کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ نماز میں امام وہ شخص ہو جو تم میں بہت زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔ چونکہ میں نے قرآن کا بہت حصہ حفظ کیا ہوا تھا اس لئے امامت کے فرائض مجھے سونپے جانے چاہئیں چنانچہ مجھے آگے کیا گیا اور میں نے امامت کے فرائض سرانجام دیے۔"

بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے تھے جن کے اسماء گرامی حفظِ قرآن کے سلسلے میں

سرفہرست ہیں: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، طلحہ، سعد بن وقاص، ابوہریرہ، عبداللہ بن سائب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمیٰ، عبادہ بن صامت، ابوحلیمہ، مجمع بن جاریہ، فضالہ بن عبید، مسلمہ بن مخلد، تمیم داری، عقبہ بن عامر اور ابوموسیٰ اشعری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ (اتقان فی علوم القرآن، نوع بیسویں، قرآن کے حفاظ اور قاری)۔

حضور سید پاک ﷺ کے عہدِ مبارک میں جنگ بئر معونہ کے موقع پر بقول قرطبی "ستر صحابہ جو حافظ کلام پاک تھے شہید ہوئے۔" ابن سعد نے اپنی کتاب "الطبقات" میں روایت کی ہے:

"ہم کو فضل بن وکین نے اور اس کو ولید بن عبداللہ بن جمیع نے یہ خبر دی کہ اس کو اس کی دادی نے امِ ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث کا حال یوں سنایا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھنے کیلئے تشریف لائے اور اس کا نام شہیدہ رکھتے تھے۔ اس بی بی نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا جس وقت حضور ﷺ غزوۂ بدر میں تشریف لے جانے لگے تو اس نے آپ سے چلنے کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی مجاہدین کے ہمراہ چلوں، بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کروں گی، شاید خداوند کریم مجھے بھی رتبہ شہادت مرحمت فرمادے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا نے تیرے لئے شہادت کا سامان کر رکھا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کرے اور امِ ورقہ کا ایک مؤذن بھی تھا۔ پھر یہ صورت پیش آئی کہ امِ ورقہ نے اپنے ایک غلام اور ایک باندی کو مدبر (مرنے کے بعد اجازت آزادی پانے والا) بنا دیا تھا۔ اتفاق سے اس کو ان کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی اور وہ یہ خیال کرنے لگی کہ انہیں اس نے کیوں مدبر بنایا ہے۔ چنانچہ غلام اور باندی دونوں نے مل کر اس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قتل کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا "رسول اللہ ﷺ سچ فرماتے تھے وہ ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ چلو ہمارے ساتھ چل کر شہیدہ کو دیکھیں" (اتقان فی علوم القرآن)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صرف صحابہ کرام کی اکثریت ہی حافظ کلام ربانی نہ تھی بلکہ صحابیات کی ایک کافی تعداد حافظات تھی۔

انہیں صحابہ کرام سے تابعین نے قرآن مجید حفظ کیا۔صاحب اتقان نے ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے

"پھر ان لوگوں سے یعنی صحابہ سے بکثرت تابعین نے قرأت کی تعلیم پائی، منجملہ قراء تابعین کے مدینہ منورہ میں یہ لوگ تھے: ابن المسیب، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان اور عطاء جو دونوں یسار کے فرزند تھے، معاذ بن الحارث المعروف بہ معاذ القاری، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، ابن شہاب الزہری، مسلم بن جندب اور زید بن اسلم۔ مکہ مکرمہ میں عبید بن عمیر، عطار بن ابی رباح، طاؤس مجاہد، عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ۔ کوفہ میں علقمہ الاسود، مسروق، عبیدہ، عمرو بن شرجیل، حارث بن قیس، ربیع بن خثیم، عمرو بن میمون، ابوعبدالرحمٰن السلمی، زر بن جیش، عبید بن فضیلہ، سعید بن جبیر، نخعی اور شعبی۔ بصرہ میں ابو عالیہ ابو رجا، نصر بن عاصم، یحییٰ بن یعمر، حسن ابن سیرین اور قتادہ۔ شام (دمشق) میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی (یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے) اور خلیفہ بن سعد (یہ الاروا کے شاگرد تھے)۔

اسی طرح قرآن مجید کے حفظ اور ادائے تلفظ کیلئے تبع تابعین نے بھی اپنی زندگیاں وقف کیں، چنانچہ مدینہ منورہ میں ابو جعفر یزید بن القعقاع ان کے بعد شیبہ بن نصاح اور پھر نافع بن تمیم تھے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج اور محم بن ابی محیض تھے۔

کوفہ میں یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود اور سلیمان الاعمش یہ تینوں ہمعصر تھے ان کے بعد حمزہ اور پھر کسائی۔ بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، ابوعمرو بن العلاء اور عاصم الجحدری۔ یہ چاروں ہمعصر تھے ان کے بعد یعقوب الحضرمی۔

شام میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس الکلابی اور عبداللہ بن المہاجر، پھر یحییٰ بن الحارث الزماری، ان کے بعد شریح بن یزید الحضرمی۔"

صاحب اتقان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہی مذکورہ بالا اماموں میں سے سات امام، فن قرأت کے تمام

دنیا میں مشہور و معروف ہوئے وہ یہ ہیں: نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی۔

انکے بعد قاریانِ کلام اللہ تمام دنیا میں پھیل گئے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں حافظِ قرآن پائے جاتے ہیں اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ رہتی دنیا تک یونہی چلتا رہے گا۔ ختم قرآن مجید کا سلسلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے چلا آرہا ہے اور یہ سنت سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ابوداؤد مسلم بن مخراق سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ایک رات میں دو یا تین قرآن ختم کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا وہ پڑھیں یا نہ پڑھیں میں تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پوری رات نماز میں قیام کرتی تھی اور آپ سورہ البقرہ، آل عمران اور النساء پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ جہاں کسی بشارت کی آیت پر گزرے تو دعا فرمائی اور اس سے متمتع ہونے کی رغبت ظاہر کی اور جس وقت کوئی تخویف کی آیت پڑھی تو دعا اور پناہ مانگی۔

کوئی صاحب ایک رات میں کوئی صاحب دو راتوں میں اور کوئی صاحب تین راتوں میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ احمد اور عبید نے سعید بن المنذر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا آیا میں تین دن میں ایک پورا قرآن مجید پڑھوں" آپ نے فرمایا "ہاں اگر تو اتنی قوت رکھتا ہے۔"

آخری اور اوسط طریقہ ختم قرآن پاک کا سات دن میں ختم کرنے کا ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر عمل رہا ہے۔ شیخین نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں قرآن کا ایک ختم کیا کر" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ مجھ میں اس سے زائد قوت ہے" تو آپ نے فرمایا "دس دن میں پڑھا کر۔" میں نے عرض کیا "مجھ میں اس سے زائد قوت ہے" تو حضور ﷺ نے فرمایا" تو پھر سات دنوں میں قرآن ختم کیا کرنا اور اس پر زیادتی نہ کرنا۔" مسند دارمی کی ایک حدیث ہے کہ عبد اللہ بن عمرو نے سید دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی کم اختم القرآن قال اختمہ فی شہر قلت

انی اطیق قال اختمه فی خمسة و عشرین قلت انی اطیق قال اختمه فی عشرین قلت انی اطیق قال اختمه فی خمس عشرة قلت انی اطیق قال اختمه فی عشر قلت انی اطیق قال اختمه فی خمع قلت انی اطیق قال لا

کتنی مدت میں قرآن ختم کیا کروں، فرمایا ایک ماہ میں ختم کیا کر۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے کم دنوں میں ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، فرمایا پچیس دنوں میں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے کم دنوں میں ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، فرمایا بیس دنوں میں۔ میں نے عرض کیا میں اس سے بھی کم دنوں میں ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، فرمایا پندرہ دنوں میں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی کم دنوں میں ختم کرسکتا ہوں، فرمایا دس دنوں میں۔ میں نے عرض کیا میں اس سے بھی کم دنوں میں ختم کرسکتا ہوں ،فرمایا پانچ دنوں میں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی کم دنوں میں ختم کرسکتا ہوں، فرمایا نہیں۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاری قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه فقال عمر انی لوجعت هئولاء علی قاری واحد لکانامثل ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب قال ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلوة قارئهم قال عمر نعمت البدعة هذه والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اوله

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کہتے ہیں (قبلہ کی طرف نسبت ہے جس کا نام ''قارۃ'' ہے) کہ میں ایک دفعہ رات کو عمر بن الخطاب کے ساتھ رمضان کے اندر مسجد میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ اور متفرق نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے یعنی ہر شخص اپنی اپنی نماز پڑھ رہا تھا اور بعض اپنے قبیلے کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اگر میں ان سب لوگوں کو ایک قاری کی امامت میں جمع کردوں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے اس کا ارادہ کرلیا اور ابی بن کعب کو امام بنایا۔ راوی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر ایک مرتبہ رات کے وقت اسی طرح رمضان میں مجھ کو عمرؓ کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا اور دیکھا کہ لوگ مسجد میں اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ عمرؓ نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ بدعت

بہت اچھی ہے اور وہ نمازِ تراویح جس کو تم پڑھ کر سو رہتے تھے اس سے بہتر ہے جس کیلئے تم بیدار ہوتے ہو یعنی آخر رات میں اور اس زمانے میں لوگ تراویح اول وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

عن السائب ابن یزید قال امر عمر ابی ابن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ فکان القاری یقراء بالمئین حتیٰ کنا نعتمد علی العصا من طول القیام تنصرف الافی فروغ الفجر (رواہ مالک)

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور اس زمانے میں قاری نماز میں وہ سورتیں پڑھتا تھا جو سو آیتوں سے زیادہ ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ ہم قیام کی طوالت سے مجبور ہوتے تھے کہ عصا کا سہارا لیں اور ہم اس نماز سے فارغ ہو کر فجر کے قریب واپس ہوتے تھے۔

عن عبداللہ بن ابی بکر قال سمعت ابیا یقول کنا ننصرف فی رمضان من القیام فنستعجل الخدم بالطعام مخافۃ فوت السحور فی اخری مخافۃ الفجر

عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں نے ابی کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم رمضان میں تراویح سے فارغ ہو کر آتے تو خادموں سے جلدی کھانے کیلئے کہتے اس خوف سے کہ کہیں سحر کا وقت ختم نہ ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ فجر کے اندیشہ سے۔

احادیثِ مذکورہ بالا سے واضح اور ثابت ہو گیا کہ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروقؓ نے نمازِ تراویح میں قرآن مجید کی تلاوت ایک حافظِ قرآن (ابی بن کعب) مقرر فرما کر رائج فرما دی۔ آپ کے دورِ خلافت سے پیشتر تراویح جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اس طریقہ پر باجماعت نمازِ تراویح کی ادائیگی حفظِ قرآن مجید کیلئے انتہائی اہم ذریعہ اور سبب بن گیا۔ آج تک امت محمدیہ ﷺ رمضان شریف میں تراویح کے دوران ختم کلام پاک کرتی ہے جو کہ پورے برس میں نہیں کر پاتی۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لا حسد الا علیٰ اثنین رجل اتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ اناء اللیل واناء النھار الیٰ آخر الحدیث

ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو باتوں کے سوا اور کسی بات میں حسد کرنا درست نہیں: ایک اس شخص کے بارے میں جسے خداوند کریم نے قرآن عطا فرمایا ہے (یعنی حافظ قرآن ہے) اور وہ شب و روز اس کے ساتھ قیام کرتا ہے---الی آخرہ۔

صاحبِ اتقان فرماتے ہیں کہ ''ابی داؤد نے تابعین کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے اور یہ بھی چاہیے کہ ختم قرآن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو شریک کرے۔''

طبرانی نے حضرت انس ؓ کی نسبت روایت کی ہے کہ جس دن وہ ختم قرآن کرتے تھے تو اپنے کنبے والوں کو جمع کر کے خدا سے دعا مانگا کرتے تھے۔''

ابی داؤد نے حکم بن عتیبہ سے روایت کی ہے کہ ''مجھ کو مجاہد نے بلوا بھیجا جب میں گیا تو ان کے پاس ابن ابی امامہ بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے مجھے کہا کہ ہم نے تم کو اس لئے بلوایا ہے کہ ہم قرآن ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے۔''

مجاہد ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ختم قرآن کے وقت اکٹھے ہو جایا کرتے تھے'' اور یہ بھی فرماتے ہیں ''ختم قرآن کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔''

دارمی نے سندِ حسن کے ساتھ ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ''اگر قرآن کا ختم آغازِ شب میں ہوتا ہے تو ملائکہ ختم قرآن والے کے واسطے صبح تک دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ دن کے پہلے حصہ میں قرآن ختم کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کے حق میں رحمت کی دعائیں مانگتے جاتے ہیں'' جس طرح قرآن مجید کا یاد کرنا عظیم برکات اور اعلیٰ درجات کا حامل ہے اسی طرح قرآن پاک حفظ کر کے بھلا دینا بھی بڑی بدبختی اور خسران ہے۔

صاحبِ اتقان فرماتے ہیں کہ ''قرآن کا بھول جانا گناہ کبیرہ ہے۔''

ابی داؤد کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

''میرے روبرو میری امت کے گناہ پیش کیئے گئے اور میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں

دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد رہی ہو اور پھر اس نے بھلا دیا ہو۔"

ابوداؤد نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"جس شخص نے قرآن پڑھ کر اسے فراموش کر دیا وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جذام مرض میں مبتلا ہو کر لایا جائے گا۔"

یہ کتاب مبین جس کو ام الکتاب کا نام دیا گیا ہے ایسی مکمل اور جامع کتاب ہے کہ جو ہر وقت اور ہر زمانے کے تمام علوم کا سرچشمہ ہے، تمام علوم اسی کتاب شریف کے محتاج ہیں، مجھ جیسا بے بضاعت، فقیر بے نوا ایسی جامع علوم کتاب کے فہم، حفظ و تلاوت کے متعلق بالتفصیل کچھ کہنے کی قابلیت اور اہلیت نہیں رکھتا۔

(۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۸۹ء، بروز جمعرات

(پہلا درس ختم ہوا)

بقیہ: انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

میں صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں:

"فی هذا الحديث دليل ايضا على الخضاب و لكن هذا الحديث لا يقاوم ما جاء في الصحيحين انه لم يخضب"

اس حدیث میں خضاب کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے اور صحیحین کی وہ حدیث جس میں خضاب نہ کرنے کا بیان ہے، اس حدیث کی مقاومت نہیں کرتی۔

والرواية الثانيه التى تفيدان شعر رسول الله صلى الله عليه واله وسلم رئى عند انس مخضوبا يحتمل انه من فعل انس لحفظ شعر رسول الله صلى الله عليه واله وسلم

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پورا ہو گیا۔

(جاری ہے)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر انور سدید

وہ جو نکلی تھی میرے دل سے ندا کی صورت
یا نبی آپ نے سن لی وہ صدا کی صورت

میں نے خود کو تو چھپایا تھا کہ کھل کر رو لوں
دیکھ لی آپ نے کب اپنے گدا کی صورت

میں خزاں دیدہ شجر ہوں یہ یقیں ہے مجھ کو
مجھ پہ برسے گا کرم ان کا گھٹا کی صورت

کون ہے رقص کناں خوں میں حرارت بن کر
کون ہے راہنما بادِ صبا کی صورت

کس نے ذرّوں کو دیا اوجِ ثریا کا مقام
کس نے بدلی ہے جہالت کی فضا کی صورت

کاسۂ جسم کو انوار سے اپنے بھر دے
میں کہ ہوں شہر مدینہ کے گدا کی صورت

تو نے جن لفظوں سے یہ نعت لکھی ہے انورؔ
ڈال لے سر پہ وہی لفظ ردا کی صورت

قسط نمبر ۳

روحِ اسلام (تصوف)

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ

صوفی اور تصوف کی وجہ تسمیہ اور رواج

لفظ ''صوفی'' حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تابعین میں سے ہیں کے زمانہ مبارکہ میں رائج تھا اور آپ کا زمانہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے معاصرت کا تھا۔ چنانچہ ان کے اور شعبان ثوری قدس اللہ سرہ کے اقوال میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ کتاب ''اخبار مکہ'' میں جو روایت محمد بن اسحٰق بن یسآ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے یہ کہ لفظ عہدِ اسلام سے پیشتر ہی معروف تھا اور عابد، زاہد و برگزیدہ اشخاص کیلئے مستعمل تھا جو لفظ صوفی کے لغوی معنی ''ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا عبادت گزار'' کے مطابق ہے۔

مگر اکثر محققین صوفیاء کرام قدس اللہ اسرارھم کے نزدیک سب سے اول جو شخص اسم صوفی سے مشہور ہوئے وہ حضرت سید ابو ہاشم محمد بن احمد قدس سرہٗ تھے جنہوں نے ۱۶۱ ہجری میں انتقال فرمایا اور تصوف کا سب سے پہلا سلسلہ الوانیہ ہے۔ جس کو حضرت شیخ الوان قدس سرہ نے ۱۹۱ ہجری میں بمقام جدہ مرتب فرمایا اور بے شمار لوگ اس میں داخل ہوئے۔

قطع نظر اس کے کہ لفظ صوفی کا رواج کب ہوا، روح تصوف تو قبل از اسلام بھی موجود تھی مگر اسلامی تصوف کا نہ صرف رنگ اور ہے بلکہ اس کی شان اور مرتبت بھی غیر اسلامی تصوف سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ قرب اور وجدانِ حق وحقیقت (The Truth) کا مقام اور مرتبہ جو مسلمان صوفیاء، عظام قدس اللہ اسرارھم کو نصیب ہوا اس کی غیر مسلم صوفیاء و فقراء، (قبل از اسلام و بعد از اسلام) کو ہوا تک نہیں لگی۔ یہ بات تحقیقی ہے تقلیدی یا عقیدت کی بنا پر نہیں۔

جہاں تک اسم صوفی کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اس میں مختلف اقوال ہیں: مثلاً حضرت النصر السراج

طاؤس الفقراء قدس سرہ' نے اپنی تصنیف ''کتاب اللمع'' میں ایک قول نقل کیا ہے کہ لفظ صوفی دراصل صفوی تھا۔ یہ لفظ ذرا ثقیل تھا کثرت استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صوفی لباس صوف یعنی اون پہننے کی وجہ سے کہتے ہیں جو کہ صوفیاء حضرات انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں پہنتے ہیں۔

تیسرا قول علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الغزالی'' میں رسالہ امام قشیری قدس سرہ' کتاب الہند از البیرونی اور کشف الظنون سے اقتباس کیا ہے کہ لفظ صوفی اصل میں ''س'' سے تھا اور یونانی زبان میں سوف کے معنی حکمت کے ہیں۔ عربی زبان میں داخل ہونے پر سوفی بمعنی حکیم اور پھر صوفی ہوگیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ چونکہ صوفیاء کرام اصحابِ صفہ کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور انہی کی طرح ہمہ وقت ریاضت وعبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اس لئے صوفی کہلائے۔

اور پانچواں قول یہ ہے کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہلِ صفا پر ہوتا ہے۔ حضرت ابوالحسن قناء کے مطابق صوفی وہ ہے جو کدورتِ بشریت سے پاک وصاف ہو۔

حضرت شیخ سید علی ہجویری ثم لاہوری المعروف حضرت داتا گنج بخش قدس اللہ سرہ' اپنی مشہور تصنیف ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں کہ یہ سب لغوی تحقیق ہے جس کا تصوف کے حقیقی معنی سے کوئی تعلق نہیں۔ صفائی تو سب امور میں محمود اور اس کی ضد کدورت ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذھب صفوا الدنیا و بقی کدرھا'' یعنی دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی۔

چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق ومعاملات کو درست کرلیا اور طبیعت کی آفت سے بیزاری اختیار کرلی اس لئے ان کو صوفی کہتے ہیں۔ یہ اسم اس گروہ کا اسم عَلَم ہے۔ اس لئے ان لوگوں کا حق اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ ان کے معاملات کو پوشیدہ رکھا جائے یہاں تک کہ ان کے اسم کیلئے بھی کسی مادہ سے مشتق ہونا لازم ہے کہ وضعی معنی پر دلالت کرے اور اس زمانہ میں (یعنی حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں) حق تعالیٰ نے اکثر لوگوں کو اس حال یعنی تصوف اور اہل تصوف سے حجاب میں رکھا ہے اور اس حال کی عمدگی کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کردیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ صوفی ایک اسم

ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں یہاں تک کہ بیہودہ لوگوں کو دیکھ کر علماء ظاہر یعنی علماء سوء نے اس طریق (تصوف) کی اصلیت کا ہی انکار کر دیا ہے اور اس حال والوں کے اپنے حال کو چھپانے سے خوش ہو گئے ہیں اور سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کو بالائے طاق رکھ دیا ہے حالانکہ تصوف کی اصل یعنی صفائے باطن تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے

ان الصفا صفت الصدیق

ان ادرت صوفیا علی التحقیق

یعنی بلا شبہ صفائے باطن حضرت صدیق اکبرؓ کی صفت ہے اگر تم صفاء باطن بالتحقیق جاننا چاہتے ہو۔

صفائے باطن کا ایک اصل اور ایک فرع ہے۔ اس کا اصل غیر اللہ (یعنی ماسویٰ اللہ) سے دل کا منقطع ہونا ہے اور اس کا فرع ترک دنیا غدار و ناپائیدار ہے اور یہ دونوں امر حضرت صدیق اکبرؓ کی صفات ہیں اس لئے وہ حضرات اہل طریقت کے امام ہیں۔

اسم صوفی اور تصوف کی وجہ تسمیہ کی اس مختصر تحقیق سے جو چیز روحِ تصوف سے کسی حد تک متعلق معلوم ہوتی ہے وہ ایک تو صفائے باطن از ماسویٰ اللہ ہے یعنی دل ماسویٰ سے تعلق (جس کو نجاست باطنی کہتے ہیں) سے پاک اور صاف ہو جائے اور دوسرے تصوف کا معنی حکمت ہے جس کو قرآن پاک نے خیر کثیر کہا ہے اور صوفیاء عظام قدس اللہ اسرارھم کے نزدیک حکمت سے مراد علم لدنی اور اسرار و حقائق کا علم ہے جس کو معرفت الٰہی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق علم۔ جس کے متعلق حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وجدانی، وہبی اور نزولی علم ہے، کسبی یا کتابی نہیں---ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (الحدید: ۲۱)

اصل میں معلوم ہوتا ہے کہ تصوف ایک راز ہے جو محبّ یعنی (بندے) اور محبوب (یعنی خدا) کے درمیان ہے۔ پس اسے چھپانے کا حکم ہے کیونکہ اس کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔ اس لئے حضرت داتا صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس حال (یعنی تصوف) اور صاحبِ حال (یعنی صوفیاء) سے حجاب میں رکھا گیا ہے اور ایک حدیث قدسی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اولیائی تحت قبای لا

اعرفھم سوای یعنی میرے دوست میری قباء میں پوشیدہ ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صوفی اور تصوف کے متعلق اولیاء کرام کے اقوال

حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے مشاہدات و حالات کے مطابق مگر مخلوق خدا کی استعداد کے مناسب تصوف کے بارے میں ارشادات فرمائے ہیں یا تو از خود اور یا کسی کے پوچھنے پر مگر ہر حال میں شریعتِ مطہرہ کا پاس رکھا ہے اور جس حقیقت کا ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہی ظاہر فرمایا۔ طریقت چونکہ روح شریعت ہے کہ

طریقت از شریعت نیست بیروں

اس لئے رسم شریعت کے اندر جو روح ہے اسے اپنایا اور قلب مومن میں اتارا جائے تا کہ حقیقت کے حصول و وصول کے بعد معرفتِ حق تک رسائی ممکن ہو سکے۔ پس تصوف اسی تعلیم، اسی تربیت اور اسی سلوک یعنی راہِ حق کا نام ہے۔ چنانچہ صوفیاء کرام قدس اللہ اسرارھم کے ایک گروہ نے فرمایا تصوف توحید کا حال ہے۔ تصوف فراغت عن ماسوی اللہ ہے یعنی معرفت ہے یعنی دل کو ماسویٰ سے خالی کرنا اور خدائے واحد سے دائمی تعلق پیدا کرنا ہے۔ دل میں غیر خدا کا خیال بھی نہ آئے۔ ایک میں محو مستغرق ہو کر ایک ہو جائے۔ اس حال کو صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فنافی اللہ و بقاباللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو اور طبعی تقاضوں کے قبضہ سے رہائی پا کر باطن کی حقیقت کے ساتھ ملا ہوا ہو اور فرمایا کہ صوفی نام ہے کاملوں کا اور محقق اولیاء کرام کو اسی نام سے پکارتے آئے ہیں۔

اور فرمایا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جسے محبتِ الٰہی صاف کر دے وہ صافی ہے اور جسے محبوب حقیقی (یعنی حق تعالیٰ) صاف کر دے وہ صوفی ہے اور فرمایا کہ جو شخص ذاتِ محبوبِ حقیقی میں مستغرق اور ماسویٰ اللہ سے بیزار ہو جاتا ہے وہ صوفی ہے اور فرمایا لفظ تصوف باب تفعل سے ہے اور باب تفعل تکلف کا تقاضا کرتا ہے۔ پس متصوف بہ تکلف صوفی بنتے ہیں، اصلی صوفی نہیں ہوتے۔ مجاہدہ اور ریاضت سے صوفیاء کے درجہ کی تلاش میں منہمک رہتے ہیں اور صوفیاء کی طرزِ زندگی کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اس کے

برعکس متصوف مال و دولت اور جاہ و ثروت کیلئے اپنے آپ کو صوفیاء کی مانند بنائے رکھنے میں مصروف رہتے ہیں۔

پس صوفی واصل بحق ہوتا ہے۔ متصوف اصول طریقت پر چلنے والا اور مستصوف بالکل بیہودہ ہے۔ متصوف اور صوفی کے متعلق حضرت غوث الاعظم پیرانِ پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں

''متصوف وہ ہے جو تکلف سے یا تکلیف اٹھا کر محنت کر کے صوفی بننے کی جدوجہد کرے اور صوفیاء کا لباس پہنے۔ اس کو متصوف کہا جاتا ہے جیسے قمیص پہننے والے کو تقمص اور دراع پہننے والے کو تدرع اور متقمص اور متدرع کہا جاتا ہے اور ایسے ہی جو زہد میں داخل ہو اسے متزہد کہا جاتا ہے اور جو انتہا کو پہنچ جائے اور جمیع اشیاء سے فانی ہو جائے اور ہر ایک ان میں سے اپنے صاحب کو چھوڑ دے تو پھر اسے زاہد کہا جاتا ہے۔ پھر اشیاء اس کے پاس آتی ہیں جنہیں نہ چاہتا ہے اور نہ مبغوض جانتا ہے بلکہ اللہ کے امر کی پیروی کرتا ہے اور ان میں فعلِ الٰہی کو دیکھتا ہے پس اسے متصوف کہا جاتا ہے اور صوفی جب اس معنیٰ سے موصوف ہو تو وہ اصل میں فعول کے وزن پر ہوتا ہے جو مصافات سے ماخوذ ہے یعنی ایسا بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے صفائی و پاکی عطا کی ہے اور اسی لئے صوفی اس کو کہا جاتا ہے جو نفس کی آفتوں سے خالص صاف اور اسکی برائیوں سے خالی ہے اور مذہب کی نیک باتوں پر چلنے والا اور حقیقتوں پر لزوم پکڑنے والا ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طرف دل کو نہیں ٹھہراتا۔ اور کہا گیا ہے کہ تصوف صدق بہ خدا اور لوگوں سے حسن ظن کا نام ہے لیکن صوفی اور متصوف میں یہ فرق ہے کہ تصوف مبتدی اور صوفی منتہی ہوتا ہے اور متصوف وصل کے راستہ میں شروع ہوتا ہے اور صوفی راستہ طے کر کے منزلِ مقصود پر پہنچ گیا اور واصل ہو گیا ہے اور متصوف بوجھ اٹھانے والا (محمل اور اور صوفی اٹھایا ہوا ہے (محمول) اور متصوف سے ہر بڑی اور ہلکی مشقت برداشت کرائی جاتی ہے اور اس کا نفس پگھل کر اس کی خواہشات زائل اور ارادہ لاشے ہو جائے پس صافی ہو

جاتا ہے جس کے بعد اسے صوفی کہا جاتا ہے۔ پس وہ قدر کا محمول اور پاکی کا تربیت کیا ہوا، علموں اور حکمتوں کا منبع، امن اور رہائی کا گھر، اولیاء اور ابدال کی جائے پناہ اور مرجع اور ان کا تنفس اور راحت گاہ عین ہار نفیس مہرہ ہوتا ہے اور رب کی نظر گاہ ہوتا ہے۔"

اور حضور سراپا نور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ "جلا الخواطر" میں فرماتے ہیں کہ اے صاحبزادے تو صوفی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تو مکدر (گندلا) ہے۔ صوفی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضرت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کر کے اپنے باطن اور ظاہر کو (ہر میل کچیل) سے صاف کر لیا ہو۔ ان ہی دو سے صفائی بڑھے گی اور وہ اپنے وجود کے سمندر سے نکلے گا اور اپنے ارادہ اور اختیار کو چھوڑ دے گا۔ جس کا دل صاف ہو جاتا ہے اس سے اور اس کے خدائے بزرگ و برتر کے درمیان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سفیر بن جاتے ہیں جس طرح ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وحی حق کے سلسلہ میں جبرئیل علیہ السلام تھے اور یہ ہر قول و فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہوتا ہے۔ جب بندہ کا دل صاف ہو جاتا ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ کسی بات کا اس کو حکم فرماتے ہیں اور کسی بات سے اس کو منع کرتے ہیں وہ سارے کا سارا دل بن جاتا ہے اور جسم معزول ہو جاتا ہے۔ سرتاپا باطن ہو جاتا ہے۔ بلا اظہار اور صفا بلا کدورت۔ سب کا دل سے نکال دینا گڑے پہاڑوں کا اکھاڑنا ہے جس کیلئے مجاہدوں کے کدالوں، مصائب و آفات پر صبر و تحمل، آفات و بلیات کو زائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی صوفی فانی فی اللہ و باقی باللہ ہوتا ہے اور یہ حالت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے صوفی کی تعریف میں فرمایا ہے۔

اور صوفی چونکہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہے اس لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک صفت ہے جس میں بندہ قائم ہے۔ کسی نے پوچھا کہ بندہ کی صفت ہے یا خدا کی؟ آپ نے فرمایا وہ حقیقت میں خدا کی صفت ہے اور ظاہر میں بندہ کی صفت ہے۔ اور فنا کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے تین مدارج ہیں: پہلا یہ کہ تم اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہو جاؤ اور اس حالت پر اپنے اعمال سے دلائل بہم پہنچاؤ۔ وہ یوں کہ تم خوب محنت و ریاضت کرو اور اپنے نفس کی خواہشات کے

خلاف عمل کرو جو کچھ تمہارا نفس چاہتا ہے اس کی بجائے اسے وہ چیز دو جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ دوم یہ کہ تم اپنے حظِ نفس سے بالکل دستبردار ہو جاؤ یہاں تک کہ طاعات میں جو لذت ایک عابد و زاہد کو ملتی ہے اس کا احساس بھی تم سے جاتا رہے۔ تم خود اسی کے اور صرف اسی کے ہو جاؤ تمہارے اور ذاتِ حق کے درمیان کوئی واسطہ ہی باقی نہ رہے۔ اور تیسرا یہ کہ تجلیاتِ ربانی کا تم پر اتنا غلبہ ہو جائے کہ تمہارے وجودِ موجود کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ایسی حالت میں تم ایک ایسا وجود فانی ہو جاؤ گے جو وجودِ خداوندی کے سبب ہی ہوگا۔ اس لئے کہ تمہاری فنا تو متحقق ہو چکی۔ تمہاری رسم (یعنی ظاہری شکل) تو باقی رہے گی لیکن تمہارا نام اور تمہاری انفرادیت مٹ جائے گی۔ اور آپ اسی کو اختصار سے اس طرح فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ اللہ تجھے تیرے وجود سے فانی کر دے اور اپنے وجود میں باقی کر دے اور حضرت پیرانِ پیر سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ فنا کے متعلق فرماتے ہیں کہ فنائے اول فنا عن الخلق ہے، فنائے ثانی فنا عن النفس ہے اور فنائے ثالث فنا عن الارادہ ہے۔

فنا عن الخلق یعنی خلق سے فنا ہونے سے مراد یہ ہے کہ نفع و نقصان خلق سے نہ دیکھے بلکہ خدا سے دیکھے۔ فنا عن النفس یعنی نفس سے فانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو جائے اور فنا عن الارادہ یعنی ارادہ سے فنا ہونا یہ ہے کہ تیری اپنی کوئی خواہش نہ رہے، کوئی آرزو نہ رہے اور تیرا کوئی ارادہ نہ رہے بلکہ ارادہ الٰہی کے تابع ہو جائے اور جو خدا کا ارادہ ہے وہی تیرا ارادہ ہے۔ یہاں بندہ کی رسم رہ جاتی ہے، بندہ نہیں رہتا، فانی فی اللہ ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فنا کے عمل کو سات مدارج میں تقسیم فرماتے ہیں:

فنا عن العصیان اس میں آگے دو مدارج ہیں: پہلا یہ کہ گناہ سے توبہ حتیٰ کہ خیال گناہ بھی نہ آئے (یعنی گناہ کا تصور بھی گناہ ہے) اور جب یہ حال پختہ ہو جائے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ سالک اپنے فعل کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ یہاں اپنی طرف منسوب کرنا گناہ ہے کیونکہ اس مقام پر سالک حضرت النور المحض جو کہ خیر محض ہے کے حضور میں ہے (یعنی یہاں سالک سے گناہ کا ارتکاب ممکن ہی نہیں کیونکہ جیسا

کہ حضرت پیران پیر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی ؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا چونکہ وہ معصوم ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے بھی گناہ نہیں ہوسکتا چونکہ وہ محفوظ ہیں یعنی حفاظت الٰہی میں ہیں۔ جس کو جناب شیخ الاکبر ؒ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت نور محض یعنی خیر محض کی حضوری میں ہیں اور ظاہر ہے کہ بادشاہ کی حضوری میں غلط حرکت کیسے سرزد ہوسکتی ہے۔

فنا عن الافعال اس میں سالک مشاہدہ کرتا ہے کہ درحقیقت افعال کا فاعل خود حق تعالیٰ ہے۔ عالم میں فعل الٰہی جاری وساری ہے۔

فنا عن الخلق یعنی خلق خدا سے نظر اٹھ جائے اور صرف حق تعالیٰ کو دیکھے کیونکہ درحقیقت حق تعالیٰ ہی دیکھنے اور سننے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا اپنے آپ کو تم میں تمہاری آنکھ سے دیکھتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ عارف وہ ہے جو حق کو حق سے حق میں حق کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور جو حق کو حق سے حق میں اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ غیر عارف ہے اور جو حق کو غیر حق سے اور غیر حق میں اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے وہ جاہل ہے۔ ایسا عارف یا مجذوب دائی ہوتا ہے یا اس کے سب حواس ایک ہی حس یا قویٰ میں مدغم ہوجاتے ہیں جس سے وہ ہر شے کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ایسا عارف عنقاء ہے۔

فنا عن النفس یعنی سالک کا اپنی ذات سے فنا ہوجانا، اپنے تعین یعنی عین کے عدم اور اپنی حقیقت کے وجود اور دوام کا ادراک اور مشاہدہ کرنا۔ یعنی سالک کا اپنے آپ سے فنا اور حق تعالیٰ سے بقا یعنی باقی ہونا ہے۔

فنا عن العالم یعنی عالم کے حدوث سے فنا یعنی اس کے حدوث کو نہ دیکھنا بلکہ اس کی حقیقت جس کا عالم مظہر ہے کا مشاہدہ کرنا اسلئے آپ فرماتے ہیں کہ عالم ظہورِ حق اور حق حقیقتِ عالم یا روحِ عالم ہے۔

فنا عن ماسوی یعنی جملہ ماسواء حق سے فنا حتی کہ عمل فنا سے بھی فنا (یعنی فنا عن الفنا یا فناء الفناء

سالک کو عمل فنا کا ہوش نہیں رہتا یعنی سالک نہیں رہتا بلکہ خدا خود ہی عارف اور خود ہی معروف ہوتا ہے۔ سالک کا وجود نہیں رہتا، صرف ایک رسم رہ جاتی ہے۔ جملہ شیونات اور ظہورات میں خدا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ منزل ادراک میں نہیں آسکتی۔

فنا عن الصفات وشیونات حق یہ منزل بہت ادق اور غیر مدرک ہے۔ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ صفاتِ حق سے گزر کر ذاتِ حق کا عرفان اور مشاہدہ ہے۔ خدا خود ہی شاہد و مشہود ہے اور جملہ موجوداتِ عالم میں سوائے حق کے دوسرا موجود نہیں ہے۔ اس لئے آپ عالم کو "حق فی الظہور" کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ عالم کی حقیقت ہے علت یا سبب نہیں۔ کسی سبب کا اثر یا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی حقیقت اور اصل ہے۔ اس لئے آپ کے نزدیک حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ مثلاً خالق مصور اور معطی وغیرہ کے وہ معنی نہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں مثلاً وہ فعل خلق سے ظہور مراد لیتے ہیں جیسے کہ حقیقت اپنی ایک صورت پر ظاہر ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کی مثل نہیں ہے اس لئے کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تاہم کچھ سمجھنے کیلئے۔ مثال کے طور پر پانی ایک حقیقت ہے جو قطرے کی صورت پر ظاہر ہے اور دریا اور سمندر کی صورت پر بھی وہی ظاہر ہے۔ یہ تو درحقیقت پانی ہی حتیٰ کہ بھاپ کی لطیف صورت اور بادل کی کثیف صورت بھی پانی کی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ فنا کی آخری اور کامل منزل ہے جس میں وجودِ مطلق حقیقی وکلی کی لازمی وحدت یعنی واجب الوجودیت کا مکمل اور کامل اور اکمل ظہور ہے جو عالم کی ہر شے میں ظاہر و باہر ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید: ۳)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ: ۱۱)

فنا کی شرح میں فرماتے ہیں کہ فنا کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہم غیریت کی جہالت سے فنا اور وجودِ کلی کی لازمی وحدت کے وجدانی علم کی بقا۔ صوفی اپنے آپ سے مرتا نہیں بلکہ اپنے علیحدہ وجود کی عدمیت کو جان لیتا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ مر بھی جائے اور اسے خدا کا ہوش بھی ہو۔ ہوش کا ہونا خود اس

کے ہونے پر دلیل ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ بے ہوش ہو جاتا ہے تو یہ مثل نیند کے ہے۔ جس میں نہ وہ اپنے ساتھ ہے اور نہ خدا کے ساتھ۔ اسے نہ اپنا ہوش ہے اور نہ خدا کا ہوش۔ وہ تو سویا ہوا ہے بلکہ جاہل ہے، حجاب میں ہے، یہ جذب نہیں، صحیح جذب وہ ہے جس میں بندہ کو اپنا ہوش نہیں مگر خدا کا ہوش ہے۔ دوسرے معنی میں فنا کا مطلب ہے تجددِ امثال۔ موجوداتِ عالم میں ہر موجود ہر لحہ خلق جدید یعنی نئی پیدائش کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ تجلی الٰہی اس کی پہلی مثل کو فنا کر دیتی ہے اور اسی لحہ دوسری نئی مثل میں اس کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء ممیت اور محی کارفرما رہتے ہیں۔ مگر یہ عمل اتنی تیزی اور سرعت سے ہوتا ہے کہ انسانی آنکھ اس عمل فنا اور معاً بقا کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس کی تفصیل کتبِ تصوف میں موجود ہے، یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

حضرت شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنا سے مراد بندہ کا اپنے آپ سے، اپنے وجود سے بلکہ خلق سے اس طرح گزرنا کہ وجود مطلق وجود حقیقی وکلی کی لازمی وحدت کا ادراک۔ وجدان علم مشاہدہ اور تجربہ ہو جائے۔ حقیقت الحقائق اصلی اور ازلی سچائی یعنی حق کا حق الیقینی علم اور تجربہ ازلی اور ابدی ذات کا ازلی اور ابدی علم ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ خدا ہو گیا یا کہتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے حقیقی معنوں میں مر گیا ہے وہ جاہل ہے اور جو خدا کے ساتھ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے وہ مشرک ہے۔ سچا صوفی اور موحد وہ ہے جسے جمال مطلق کا علماً وحالاً مشاہدہ ہوتا ہے وہ سوائے وجودِ واحد، وجودِ مطلق کے اور کسی کو نہیں دیکھتا کیونکہ وجود صرف اور صرف حق تعالیٰ کیلئے ہے۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں "الحق محسوس و مشھود و الخلق معقول"یعنی حق تعالیٰ محسوس اور مشہود ہے اور خلق معقول ہے یعنی خلق کا وجود عقلی اور علمی ہے، حقیقی نہیں۔

پس عارف حق اور خلق دونوں کو دیکھتا ہے مگر جانتا ہے کہ موجودِ حقیقی حق تعالیٰ ہے اور خلق کا وجود وجود نہیں بلکہ حکم عدم میں ہے۔ حق تعالیٰ موجود فی نفسہٖ ہے مگر خلق موجود بالغیر ہے اس لئے عدم ہے پس فنا وجود حقیقی کی وحدت کا یقینی علم وحال ہے۔ بندہ اس طبعی زندگی میں زیادہ سے زیادہ فنا کے اس حال ومقام سے مشرف ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقی اور کامل فنا موت کے بعد ہی ہو گی۔ (جاری ہے)

غزل

سیف زلفی

اوڑھی ردائے درد بھی حالات کی طرح
تاریکیوں میں ڈوب گئے رات کی طرح

شیوہ نہیں کہ شعلۂ غم سے کریں گریز
ہر زخم ہے قبول نئی بات کی طرح

نیند آ رہی ہے کرب کی آغوش میں مجھے
سینے پہ دستِ غم ہے تیرے ہات کی طرح

وہ دوڑ ہے کہ اپنی ہوا بھی نہ چھو سکوں
اڑتی ہے میری فکر بھی لمحات کی طرح

کیا بستیوں کا ذکر کہ احساس کی تپش
جنگل جلا گئی میرے جذبات کی طرح

کیا خوب آشنا ہیں کہ پہچانتے نہیں
جب بھی ملے تو پہلی ملاقات کی طرح

دنیا کا درد اپنے دکھوں میں سمیٹ کر
محسوس کر رہا ہوں غمِ ذات کی طرح

احباب کس خلوص سے زلفی مری غزل
رکھتے ہیں دل کے طاق میں سوغات کی طرح

گزشتہ سے پیوستہ

ارشاداتِ غوثُ الصمدانی
سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

مرتب: سید کامران شاہ بخاری (وڈپگہ)

شرطِ اول پس محبتِ رسول ﷺ کی شرط ہے فقر و فاقہ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی شرط ہے ابتلاء و آزمائش۔ بعض مشائخ سے روایت ہے کہ بلا اور ولایت کا چولی دامن کا ساتھ ہے تاکہ جھوٹ، دکھاوے اور نفاق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ نہ کیا جاسکے۔ تو اپنے دعویٰ اور جھوٹ سے باز آجا۔ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈال۔

اگر تو (اپنے دعویٰ محبت میں) سچا بن کر آیا ہے تو آ ورنہ ہمارا تتبع نہ کر۔ (ہم کھرا کھوٹا پہنچاننے والے صراف ہیں) پس اپنا کھوٹا سکہ صراف کے پاس نہ لے جا، وہ نہ لے گا اور تو ذلیل ہوگا۔ سانپ اور درندہ سے محبت نہ کر، وہ تجھ کو ہلاک کردیں گے، ہاں اگر تو سپیرا ہے تو سانپ سے کھیل اور اگر طاقتور ہے تو درندہ کی طرف قدم بڑھا۔ راہِ حق میں سچائی اور معرفت کی روشنی درکار ہے۔ صدیقین کے قلب میں آفتابِ معرفت روشن رہتا ہے، نہ رات کو ڈوبتا ہے نہ دن کو۔

غور و فکر کا آئینہ عزیزم! غضبِ خداوندی میں گرفتار منافقوں سے بچو اور سمجھ دار بنو۔ اس زمانے کے اکثر لوگ انسان کے روپ میں بھیڑیئے ہیں۔ غور و فکر کا آئینہ لے کر دیکھ۔ پھر خدا تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ تیرے نفس اور منافقوں کی حقیقت ظاہر کردے۔ خالق و مخلوق دونوں کا میں تجربہ کرچکا ہوں، میں نے برائی مخلوق کے پاس اور خیر و خوبی خالق کے پاس دیکھی۔ اے اللہ! ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھ اور دنیا

وآخرت میں اپنی خوبی ہم کو عطا فرما۔

راہِ نجات میں تمہارا بھلا تمہارے لئے چاہتا ہوں، اپنے لئے نہیں۔ میں تمہاری رسیوں میں بل دیتا ہوں (تاکہ تم مضبوط اور کارآمد بن جاؤ) میں جو کچھ بھی تم سے قبول کرتا ہوں، وہ تمہارے ہی لیتا ہوں (تاکہ تمہیں فائدہ پہنچے) اپنے لئے نہیں لیتا۔ میرے پاس تو ایسی خاص چیز ہے جو تم سے اور تمہارے ہدیوں سے بے نیاز کرتی ہے۔ میرے پاس یا کسب ہے اور یا خدائے عزوجل پر توکل۔ میں تمہاری لائی ہوئی اشیاء کا اس طرح انتظار نہیں کرتا جس طرح وہ ریاکار منافق منتظر رہتا ہے جو تم پر توکل کئے ہوئے ہے اور اپنے خدا کو بھولا ہوا ہے۔ میں باشندگانِ زمین کی کسوٹی ہوں۔ عقل سے کام لو، اپنی ٹیپ ٹاپ مجھے نہ دکھاؤ۔

مجھے تمہارے کھرے کھوٹے کو پہچاننے کی توفیق واہلیت اچھی طرح اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تو نجات چاہتا ہے تو میرے ہتھوڑے کا اہرن بن جا تاکہ میں تیرے نفس، طبیعت، خواہش، شیطان، دشمن اور برے ہم نشینوں کا سر کچل دوں۔ ان دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد مانگ کیونکہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں ہی کی مدد کی جاتی ہے اور بے یار ومددگار وہ ہے جو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ بلائیں اور بیماریاں بہت ہیں لیکن ان کا نازل کرنے والا اور معالج ایک ہی ہے۔

مرضِ نفس اے نفس کے بیمارو! اپنے نفوس کو طبیب کے سپرد کر دو۔ وہ جو کچھ بھی چاہے ان کے ساتھ برتاؤ کرے، اس کی شکایت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے نفوس پر تم سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اس کے سامنے گونگے بہرے بن جاؤ اور شکوہ وشکایت نہ کرو۔ یقیناً دنیا وآخرت میں بھلائی پاؤ گے۔

اہل اللہ بالکل خاموش، فسردہ اور مدہوش رہتے ہیں۔ جب اس میں ان کو کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا فرماتا ہے (یعنی ان کو رہبر وناصح بنا دیا جاتا ہے) جس طرح قیامت میں جمادات کو گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔

اہل اللہ اسی وقت بولتے ہیں جب کہ ان کو بولنے کا حکم دیا جائے اور اسی وقت لیتے ہیں جب کہ ان

کو دیا جائے اور اسی وقت انبساط حاصل کرتے ہیں جب کہ ان کو انبساط میں لایا جائے۔ ان کے قلوب فرشتوں کے قلوب سے جا ملے ہیں۔ (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ جو کچھ حکم دیتا ہے، اس میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا حکم دیتا ہے اس کو بجالاتے ہیں، وہ فرشتوں سے جا ملے ہیں رتبے میں ان سے بھی بڑھ گئے اور حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کے علم میں فرشتوں پر بھی فوقیت لے گئے ہیں۔ فرشتے ان کے خادم اور ان کے ملازم ہیں کہ ان سے استفادہ کرتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی (موسلا دھار بارش) برسائی جاتی ہے اور ان کے قلوب تمام آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ آفتیں ان کے اعضاء، ان کے نفوس اور ان کے اجسام تک تو آتی ہیں لیکن ان کے قلوب تک نہیں پہنچتیں۔

اگر تو ان کے مرتبے تک پہنچنا چاہتا ہے تو اول اسلام کی حقیقت معلوم کر، پھر کھلے چھپے سارے گناہ چھوڑ دے اور پوری احتیاط رکھ۔ اس کے بعد دنیا کی حلال و مباح چیزوں سے بھی ہاتھ اٹھالے۔ پھر خدا عزوجل کے فضل کا غنا حاصل کر (کہ فضل حق کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جائے)۔ اس کے بعد اس کے فضل سے بھی بے نیاز ہو کر اس کے قرب کی دولت مانگ اور جب یہ دولت حاصل ہو جائے گی تو تجھ پر اس کے رحم و کرم کی بارش ہو گی اور اپنے لطف و کرم، فضل و احسان کے دروازے تجھ پر کھول دے گا۔ پہلے دنیا تجھ پر تنگ فرمائے گا، اس کے بعد بے انتہا کشادہ۔

یہ (وسعتِ دنیا) اولیاء صدیقین میں سے کسی کسی کو ملتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تقویٰ سے واقف ہے۔ پس (جانتا ہے کہ) وہ کسی چیز میں بھی مشغول ہو کر اس کو بھول نہیں سکتے۔ باقی اکثر اولیاء کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دنیا ان سے لے لی جاتی ہے کیونکہ اس کو ان کا اپنے ہی لئے فارغ، اپنے ہی دربار میں حاضر اور اپنا ہی مشتاق بنائے رکھنا پسند ہے (ان کو دنیا کا زر و مال عطا نہیں کیا جاتا ہے)۔ اگر ان کو دنیا عطا فرمادے تو ممکن ہے کہ وہ اس کی خدمت سے غافل ہو کر دنیا میں پھنس جائیں۔ اکثریت کے ساتھ یہی برتاؤ ہے اور وہ سلوک شاذ و نادر ہے اور شاذ و نادر پر حکم کا تعلق نہیں ہوتا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے ہیں جن کو دنیا پیش کی گئی مگر آپ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس میں

مشغول ہونا پسند نہ فرمایا اور کمال زہد اور دنیا سے نفرت کی وجہ سے مقسوم کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ آپ کے سامنے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں لیکن آپ ﷺ نے ان کو واپس کر دیا اور ارشاد فرمایا ''اے میرے پروردگار! مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین ہونے کی حالت میں موت دے اور مساکین ہی کے ساتھ میرا حشر فرما۔'' زہد تو درحقیقت نیک نیتی کا نام ہے ورنہ اپنے مقسوم سے زہد اختیار کرنے پر کوئی بھی قادر نہیں۔

مومن کو حرص کی گرانی سے نجات رہتی ہے۔ وہ نہ لالچ کرتا ہے، نہ جلدی مچاتا ہے۔ وہ اپنے قلب سے تمام اشیاء میں بے رغبت اور اپنے باطن کے ساتھ ان سے روگردانی اختیار کرتا ہے اور حکم الٰہی کی تعمیل میں مشغول رہتا ہے اور اسے یقین ہے کہ جو کچھ قسمت میں ہے وہ ضرور ملے گا اس لئے وہ اس کی طلب میں نہیں رہتا۔ اپنے مقسوم کی چیزوں کو وہ ترک کر دیتا ہے لیکن وہ اس کے پیچھے بھاگتی ہیں اور التجا کرتی ہیں کہ ہم کو قبول کرلو۔

راہِ حق کیلئے زرو مال

عزیزم! سب سے پہلے تجھے ایمان کی ضرورت ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلائے۔ پھر ایقان کی حاجت ہے جو تجھے اس راہ میں ثابت قدم رکھے۔ (طریقت) کی راہ پر گامزن ہونے کیلئے تجھے اول ہمیانی (مال وزر) کی ضرورت ہے اور آخر میں جا کر تجھ کو ایمان کی ضرورت ہے۔ بخلاف مکہ کی راہ کے (یعنی سفر حج کے) کہ وہاں شروع ہی میں ایمان کی اور بعد میں ضرورت ہے ہمیانی کی اور اس راستہ میں جس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں، پہلے زرو مال چاہئے اور بعد میں ایمان۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ''ان کی طالب علمی میں ان کی کمر پر ایک ہمیانی تھی جس میں پانچ سو دینار تھے، وہ اس میں سے خرچ کرتے اور علم پڑھتے اور اس پر اپنا ہاتھ مار کر کہتے کہ اگر تو نہ ہوتی تو لوگ ہم کو رومال بنا لیتے (یعنی ان کے پس خوردہ پر ہماری نظر رہتی اور پڑھنا اور پڑھانا ختم ہو جاتا)۔'' جب وہ فارغ التحصیل ہو کر عارف حق بن گئے جو کچھ ان کے پاس بچ رہا تھا، سب ایک ہی دن میں خیرات کر دیا اور فرمایا ''اگر آسمان لوہا بن جائے کہ ایک قطرہ بھی بارش نہ ہو اور زمین پتھر ہو جائے کہ

ایک دانہ بھی نہ اگائے، اس کے باوجود بھی میں اگر روزی کی فکر اور اہتمام کروں تو میں کافر ہوں۔"

روزی کمانا تقویتِ ایمان ہے ایمان کو تقویت حاصل ہونے تک روزی کمانا اور سبب کے ساتھ تعلق رکھنا تو لازمی سمجھ۔ اس کے بعد (جب ایمان قوی ہو جائے) تو سبب سے خالقِ سبب کی طرف منتقل ہو جا (کیونکہ اسباب پیدا کرنے والا خدا بلا سبب بھی روزی عطا کر سکتا ہے)۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی ابتدائی حالت میں روزی بھی کمائی، قرض بھی لیا اور اسباب کے ساتھ تعلقات بھی قائم رکھے اور آخر میں (سب کو ترک کر کے) توکل اختیار کیا۔ شریعت اور طریقت کی رو سے ابتدا و آخر کو ملا کر کسب و توکل دونوں کے جامع بنے۔

سوال کی مذمت اے بدنصیب! لوگوں کے مال و متاع پر بھروسہ کر کے ان سے بھیک نہ مانگنے لگ جا، محنت مزدوری کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑ ورنہ تو (جسمانی) طاقتوں کی نعمت کا ناشکرا قرار دیا جائے گا۔ پس (اس پاداش) میں حق تعالیٰ تجھ سے ناراض ہو جائے گا اور تجھے اس سے دوری نصیب ہو گی۔ اپنی روزی نہ کمانا اور لوگوں سے بھیک مانگنا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام سے سلطنت لے لی تو ان کو چند قسم کی سزائیں دیں۔ ان میں سے ایک بھیک مانگنا بھی تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں اپنی روزی خود کماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر تنگی فرمائی تو ان کو ان کی سلطنت سے باہر نکال دیا اور چالیس دن تک ان پر روزی کے دروازے بند کر دیئے (یہاں تک کہ بھیک مانگنے کی نوبت پہنچ گئی) اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک عورت آپ کے گھر میں چالیس دن تک ایک بت کی پوجا کرتی رہی تھی (جس سے آپ بے خبر تھے مگر شانِ نبوت کے سبب عتاب نازل ہوا) پس اس کی بت پرستی کے ہر دن کے بدلے آپ کی سزا کا بھی ایک ایک دن مقرر ہوا۔

وصلِ حق اور اولیاء کی مسرت جب تک اہل اللہ کو اپنے رب کا وصل حاصل نہ ہو جائے ان کے غم کو نہ خوشی نصیب ہوتی ہے، نہ ان کے سر سے بوجھ اترتا ہے، نہ آنکھوں کو سرور اور نہ ان کی مصیبت کو

سکون ملتا ہے۔ ان کیلئے وصالِ حق کی دو صورتیں ہیں: ایک تو دنیا میں اپنے قلوب و باطن سے ملنا اور یہ بہت شاذ ہے۔ دوسری صورت آخرت میں ملنا۔ اپنے پروردگار سے ملنے کے بعد ہی انہیں راحت و مسرت حاصل ہوگی لیکن اس سے پہلے تو ان کی مصیبت دائمی ہے۔

عزیزم! نفس کو لذتوں اور خواہشات سے باز رکھ اور اس کو پاکیزہ کھانا کھلا جو نجس نہ ہو۔ پاکیزہ حلال ہے اور نجس حرام ہے۔ اس کو حلال کھانا اس لئے کھلا کہ وہ تکبر، غرور اور بے ادبی نہ کرے۔ یا اللہ! ہم کو اپنی معرفت بخش تاکہ ہم تیرے عارف بن جائیں۔

فقر و صبر

تعظیم کی حدیث

جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''جو شخص کسی امیر (کی تعظیم) کیلئے اس کے مال کی خواہش میں اٹھا جو اس کے قبضے میں ہے تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔'' منافقو! سن لو یہ اس کے بارے میں ہے جس نے دولتمندوں کیلئے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ پھر اس کا کیا ہوگا جو نماز، روزہ، حج بھی انہی کیلئے کرتا ہے اور ان کی چوکھٹوں کو چومتا ہے۔ اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کرنے والو! تمہیں خدا اور رسول کی خبر ہی نہیں۔ مسلمان بنو، توبہ کرو اور توبہ میں اخلاص سے کام لو تاکہ تمہارا ایمان صحت مند اور یقین پختہ ہو جائے۔

تمہاری توحید نشوونما پائے اور اس کی شاخیں عرش تک جا چڑھیں۔ عزیزم! جب تیرا ایمان نشوونما پالے گا اور اس کا درخت بلند ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ کو خود تجھ سے اور ساری مخلوق سے بے پرواہ کر دے گا اور تجھ کو کمانے کی محنت سے بے نیاز کر دے گا۔ خدا تعالیٰ تیرے قلب، تیرے باطن اور تیرے نفس کو سیری بخشے گا۔ تجھ کو اپنے در پر ٹھہرائے گا اور تیرے فقر کو اپنے ذکر، اپنے قرب اور اپنے ساتھ انس کی تونگری عطا فرمائے گا۔ پھر تجھے فکر نہ ہوگی کہ کون دنیا میں عیش کرتا اور کون اس میں مشغول رہتا ہے۔ تجھے اس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ دنیا کس کے ہاتھ میں جاتی ہے، اب تو اس (دنیادار) کو بطورِ شفقت، کلفت

اور ظلمت دیکھے گا۔

نجات کا راستہ

اے وہ شخص! جو علم کا دعویٰ کرتا اور دنیا داروں سے دنیا طلب کرتا اور ان کے سامنے انکساری اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تجھے علم عطا کر کے گمراہ بنا دیا۔ تیرے علم کی برکت جاتی رہی گویا مغز ختم ہو کر چھلکا رہ گیا۔ اے وہ شخص! جو بظاہر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا دعویٰ دار ہے اور اس کا قلب مخلوق کی پرستش میں لگا ہوا ہے۔ انہی سے ڈرتا اور انہی سے توقع رکھتا ہے۔

بظاہر تو عبادت اللہ تعالیٰ کی کرتا ہے اور باطن میں مخلوق کیلئے۔ تیری ساری طلب اور سارا فکر وہی درہم و دینار اور مال و اسباب ہیں جو ان کے پاس ہیں۔ تو ان کی تعریف و توصیف کا آرزومند ہے اور ان کی مذمت و بے رخی سے ڈرتا ہے۔ تو ان کے ہاتھ روک لینے سے ہراساں ہے اور خواہش مند ہے ان کی بخشش کا (اس کا ثبوت یہ ہے کہ) تو اکثر ان کے دروازوں پر پڑا ہوا چاپلوسی کرتا اور باتیں بناتا رہتا ہے۔ تجھ پر افسوس کہ تو مشرک ہے، منافق ہے، ریاکار ہے، بے دین ہے اور زندیق ہے۔

تجھ پر افسوس! یہ ملمع سازی کس کے سامنے کر رہا ہے؟ کیا اس ذات کے سامنے جو آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے راز سے واقف ہے؟ تجھ پر افسوس! کہ تو نماز میں کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتا ہے حالانکہ تو اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ (حقیقت میں) مخلوق تیرے دل میں خدا سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور کوئی نیک عمل غیر خدا کیلئے نہ کر۔ نہ دنیا کیلئے نہ آخرت کیلئے۔ انہی میں شامل ہو جا جو ذات حق کے طالب ہیں۔

اس کی پروردگاری کا حق ادا کر۔ حمد و ثنا اور عطا و منع کیلئے کام نہ کر۔ تیرا رزق نہ کم ہو سکتا ہے نہ زیادہ۔ بھلائی یا برائی جو بھی قسمت میں لکھی ہے ہو کر رہے گی۔ ایسے کام میں نہ پڑ جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو کر اپنی حرص و امید کم کر۔ موت کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھ کہ یہ نجات کا راستہ ہے، ہر حال میں شریعت کی پیروی کو ضروری سمجھ۔

(جاری ہے)

استفتاء

(عورتوں کی امامت وجماعت)

مفتی سرحد حضرت علامہ مولانا مفتی خلیل الرحمن قادری گلوزئی دامت برکاتہم العالیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ ---اَمَّا بَعْدُ--- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برادرانِ اسلام رب ذوالجلال کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کی حفاظت کیلئے اپنے بندوں میں ایسے افراد کو خاص کر رکھا ہے کہ جہاں اور جب بھی کسی دشمن اسلام نے دین اسلام کے خلاف زبان درازی کی فوراً اس کی زبان کو گدی سے کھینچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے حرکت میں آجاتے ہیں اور دین اسلام کی حفاظت کیلئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ

ایسے ہی عصر حاضر میں کسی خود ساختہ مولوی نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ عورتوں کیلئے مساجد میں جانا اور نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے۔ تو فخر العلماء حجت لایزال عالم بے مثال مفتی سرحد بے قیل وقال، علامہ دوراں، سیف قاطع الطغیان حضرت سید مبارک شاہ صاحب فوراً حرکت میں آگئے اور اس مولوی کے بیان کردہ مسئلہ پر ادلۂ قاطعہ سے ایسا رد فرمایا کہ اس کے بیان کردہ مسئلہ کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

مزید بریں مسئلہ مذکورہ کے رد میں رہبر شریعت، پیر طریقت، عالم حقانی، حجت یزدانی، فخر العلماء و المشائخ، معدن علوم شرعیہ، حافظ رموز سنیہ، منبع الفیوضات والکرامات، زبدۃ العارفین والسادات حضرت العلامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی دام اللہ فیوضاتہ نے بھی قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ مذکورہ کا رد فرمایا ہے اور ثابت فرمایا کہ مذکورہ خود ساختہ مولوی نے حد درجہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الدَّارَیْنِ خَیْرَ الْجَزَاءِ

مسئلہ مذکورہ کے متعلق مندرجہ بالا دونوں برگزیدہ حضرات نے جو کچھ قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے میرے خیال میں اس مسئلہ پر مزید کسی کو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن اس ناچیز کفش بردار علماء کو حضرت العلامہ مخدومنا پیر طریقت سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی سجادہ نشین ابوالبرکات سرتاج اولیاء سید حسن قادری گیلانی قدس اللہ سرہ کی طرف سے حکم ہوا کہ میں بھی اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث اور کتبِ مذہب کی روشنی میں کچھ لکھوں۔ لہٰذا بوجہ الامر فوق الادب، بتوفیق رب ذوالجلال حضور کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چند سطور ناظرین وقارئین مسلمان بھائیوں کے پیش خدمت ہیں۔ انسان خطا ونسیان سے مبرا نہیں لہٰذا اگر کہیں خطا ہوئی ہو اس کی تصحیح فرما کر عنداللہ ماجور ہوویں۔

عزیز محترم مسلمان بھائیوں نمازوں میں عورتوں کی امامت وجماعت کا مسئلہ کچھ یوں ہے جس کی تصریح علامہ طحاوی نے "باب الامامت" میں اس طرح سے فرمائی ہے کہ ابتداء اسلام حضور ﷺ کے وقت میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوتی تھیں وہ بھی قلیل تعداد میں اور گاہ بہ گاہ اور یہ اسلام سے ان کی محبت اور ایمانی جذبات کی دلیل تھی نہ کہ جماعت میں حاضر ہونے کیلئے وہ مامور تھیں۔ ایک موقع پر حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَ شَرُّهَا اٰخِرُهَا وَ خَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَ شَرُّهَا اَوَّلُهَا اَخِّرُوْ هُنَّ مِنْ حَیْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی

ترجمہ: فرمایا حضور ﷺ نے مردوں کی صفوں میں بہتر صف پہلی صف ہے اور کم درجہ والی صف آخری صف ہے اور عورتوں کی صفوں میں بہتر صف آخری صف ہے اور شر والی صف پہلی صف ہے۔ پیچھے کر وان عورتوں کو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے کیا ہے۔ (صلوٰۃ مسعودی، جلد ۲، صفحہ ۹۸)

وضاحت: یعنی حضور ﷺ کے وقت میں اگر عورتیں جماعت میں شریک ہونے کیلئے مسجد میں آجایا کرتیں تو انہیں رجال اور صبیان کی صفوں کے پیچھے آخر میں کھڑا کیا جاتا تھا باوجود اس کے کہ نماز باجماعت پڑھنے کیلئے عورتیں مامور نہیں تھیں لیکن قرنِ اول کی مسلمان عورتوں کے ایمانی جذبات اور احکام اسلام کے ساتھ حد درجہ وابستگی کا یہ اثر تھا کہ وہ بھی یہ چاہتیں کہ ہم حضور اقدس ﷺ کے پیچھے نماز ادا کریں۔ پھر

یہ کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ستائیس گنا زیادہ ثواب ہیں۔ انتہی۔ جیسے کہ بخاری اور مسلم شریف کی حدیث ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً

(متفق علیه، مشکوۃ شریف ، باب الجماعة و فضلها، صفحه ۹۵)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجے افضل ہے۔

وضاحت: بعض روایات میں پچیس ہے اور بعض میں پچاس درجے بھی ہے۔ یہ اختلاف ثواب جماعت کی زیادتی کمی اور نمازیوں کے تقویٰ وطہارت کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ بڑی جماعت کا ثواب بڑا اور عالم و متقی امام کے پیچھے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ نمازِ باجماعت کی اس اہم فضیلت اور ثواب کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو جماعت سے غیر حاضر رہنے کی اجازت نہ دی جیسے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَعْمٰی فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ قَائِدٌ یَقُوْدُنِیْ اِلَی الْمَسْجِدِ---الخ (الحدیث رواہ مسلم . مشکوۃ المصابیح، صفحه ۹۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کوئی لانے والا نہیں جو مجھے مسجد تک لائے۔ اور حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ انہیں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دیدی۔ جب اس نے پیٹھ پھیری اور چلنے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس کو بلایا اور فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو اس نے عرض کی کہ ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر قبول کرو۔ یعنی مؤذن کے بلاوے کو قبول کرو اور مسجد میں حاضر ہو جایا کرو۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین تھے اور ہیں۔ تمام مومن اور مومنات

عورتیں عاشقانِ رسول رخ انور پر شیدا پروانے تھے۔ مرد و زن ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے انوار و برکات اور فیوضات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں اور زیادہ سے زیادہ وقت حضور ﷺ کی غلامی میں گزاریں تا کہ رب ذوالجلال ان سے راضی ہو کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ جب تک محبوبِ کبریا کے غلام نہ بنیں گے اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا حاصل نہ ہوگی

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو
خدا ملتا ہے ان کو جو بنیں بندے محمد کے

ان ہی اور ان جیسی دوسرے بہت سی وجوہات کی وجہ سے آقا و مولیٰ رحمت للعالمین، امام المرسلین، حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے وقت میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع نہ فرمایا جیسا کہ ایک حدیثِ شریف ہے

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَأْذَنَتْ اِمْرَءَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا (متفق علیه)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد آنے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے۔ (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۹۶)

وضاحت: شارح حدیث حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کیلئے تھا جب عورتوں کو مسجد حاضری کی اجازت تھی۔ یہ کوئی لازمی حکم نہ تھا کیونکہ عورت کے مسجد میں جانے کو شوہر کی اجازت سے منسلک فرمایا گیا ہے جیسے کہ اس کے متصل دوسری حدیث سے واضح ہے۔ انہی یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ (رواہ ابو داؤد، الفصل الثانی، صفحہ ۹۶ مشکوۃ شریف)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اپنی بیویوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کیلئے بہتر ہیں۔

نوٹ: اس حدیث شریف سے اچھی طرح واضح ہوا کہ زمانہ نبوی ﷺ میں بھی عورتوں کیلئے گھر میں ہی نماز افضل قرار دی گئی تھی اگرچہ مسجدوں میں آنا جائز تھا۔ (مراۃ جلد دوم، صفحہ ۱۷۲)

اور مسجدوں میں جانے کیلئے کچھ وجوہات تھیں جن میں سے چند ایک بندہ نے گزشتہ سطور میں بیان کردی ہیں۔ ذیل میں اس حدیث شریف سے اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے کہ عورت کیلئے گھر میں ہی نماز پڑھنا افضل و بہتر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْمَرْءَ ۃِ فِیْ بَیْتِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِھَا فِیْ حُجْرَتِھَا وَ صَلٰوتُھَا فِیْ مِخْدَعِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِھَا فِیْ بَیْتِھَا (رواہ ابو داؤد، مشکوۃ شریف صفحہ ۹۶)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن مسعود ﷺ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورت کی نماز اپنے گھر میں صحن میں نماز سے افضل ہے اور اس کی نماز کوٹھڑی میں گھر میں نماز سے افضل ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں لفظ حجرہ کے بارے حاشیہ نمبر ۲ میں ہے کہ یہاں حجرے سے مراد صحن ہے کیونکہ اس کی طرف حجرے کے دروازے ہوتے ہیں اس لئے مجازاً اسے حجرہ کہہ دیا گیا۔ مخدع: حاشیہ نمبر ۳ میں ہے مخدع سامان کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں یہ خدع سے ہے بمعنی چھپانا اور بیت رہنے کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں تبو بیت سے ہے بمعنی شب گزارنا۔ سامان کی کوٹھری دوسری کوٹھڑی کے پیچھے ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ چونکہ عورت کیلئے پردہ بہت ضروری اور اہم ہے لہٰذا جس قدر پردے میں نماز پڑھے گی اس قدر بہتر ہوگا۔

ان روایات سے صاف ثابت ہوا کہ زمانہ حضور ﷺ میں اگرچہ عورتوں کیلئے بوجوہ مسجد میں جانا جائز تھا لیکن اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب اسی بات کی دی جاتی کہ وہ اپنے گھروں میں حتی الامکان پردہ میں نماز پڑھا کریں۔ (مراۃ المناجیح، جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

حضور نبی اکرم ﷺ جو اپنی امت کے مومنین ومومنات پر روف رحیم تھے اپنے انوار و برکات وفیوضات سے سبھی کو مستفیض فرمایا کرتے۔ لیکن جب آیات شریف

وَ قُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (سورہ النور: ۳۱)

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط (الاحزاب:۵۳) اور یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِهِنَّ ط (الاحزاب:۵۹)

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (الاحزاب: ۳۳)

نازل ہوئیں تو عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا موخر الذکر آیت وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ الخ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے

''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا''

(صفحہ ۴۴، جلد ۴ تفسیر ضیاء القرآن)

حاشیہ نمبر ۶۱ میں ہے کہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بلا ضرورت گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور زمانہ جاہلیت میں عورتیں جس طرح بن ٹھن کر بازاروں میں بے حجاب پھرا کرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں انہیں اس سے سختی سے روکا جا رہا ہے۔ اگر چہ یہاں خطاب صرف ازواج الرسول ﷺ سے ہے لیکن امت کی ساری خواتین کیلئے یہی حکم ہے۔

تنبیہ: سابقہ احادیث سے بھی ثابت ہوا کہ عورتوں کیلئے گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے اور ان آیات مذکورہ سے تو صریحاً ثابت ہے کہ عورتوں کو پردہ کرنا فرض ہے اور گھروں کی چاردیواری میں رہنا واجب ہے اور بلا ضرورت گھر سے نکلنا حرام۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نماز کیلئے عورت کو مسجد میں جانا ضروری ہے تو یہ بات لغو ہے اسلئے کہ عورتوں کیلئے مسجد میں جانا اور امامت و جماعت سے نماز پڑھنا شرعاً ثابت نہیں اور نہ وہ اس کی مامور ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کے نزول کے بعد عورتوں کو سرِعام بازاروں میں گھومنے پھرنے سے منع کر دیا گیا بلکہ ان کو پردہ کرنے اور گھروں میں ٹھہرنے کا پابند کیا گیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سرِبازار ٹہلا کرتی تھیں انہیں اس سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

بزار نے حضرت انس ﷺ سے روایت کی ہے کہ عورتیں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ مرد ساری فضلیت لے گئے، جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے کیا کوئی عمل ایسا ہے جو ہم کریں اور ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو۔

فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ مَنْ قَعَدَتْ مِنْكُنَّ فِيْ بَيْتِهَا فَاِنَّهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (ضیاء القران، جلد ۴ صفحہ ۶۲)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھ رہے گی اسے مجاہدین فی سبیل اللہ کا درجہ ملے گا۔

الغرض گھروں میں ٹھہرنے اور پردے کا حکم جب نازل ہوا تو عورتوں نے اس پر بلا چون وچرا عمل شروع کر دیا البتہ گاہ بگاہ کوئی ایک عجوزہ (بڑھیا) عورت مسجد میں نماز پڑھنے چلی جاتا کرتی جبکہ انہیں بھی حضرت عمر ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں منع فرمادیا۔ مراۃ المناجیح، جلد۲ صفحہ ۱۰۷ میں ہے کہ عہدِ فاروقی میں ممانعت کردی گئی کہ عورتیں نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں نہ جائینگی کیونکہ عورتوں میں بہت فساد آگیا تھا۔

مقام غور ہے کہ حضرت عمر ﷺ جب اپنے وقت کی عورتوں کو مسجدوں سے منع فرماتے ہیں تو کیا آج پندرھویں صدی کی عورتوں کو سرعام گھومنے پھرنے اور مسجدوں میں جانے کی اجازت دینا درست ہے پھر ان عورتوں اور ان عورتوں کا موازنہ کر کے آپ خود حساب لگالیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے

وَ فِي الْاَحْيَاءِ --- يُجِبُ مَنْعُ النِّسَاءِ مِنْ حُضُوْرِ الْمَسَاجِدِ لِلصَّلٰوةِ وَ لِمَجَالِسِ الذِّكْرِ اِذَا خِيْفَتِ الْفِتْنَةُ اِذْ مَنَعَتْهُنَّ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَقِيْلَ لَهَا اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَهُنَّ مِنَ الْجَمَاعَاتِ فَقَالَتْ لَوْ عَلِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثْنَ بَعْدَهٗ لَمَنَعَهُنَّ انتهیٰ (تفسیر روح البیان، جلد ۹ صفحہ ۲۲)

ترجمہ: اور احیاء میں ہے کہ عورتوں کو منع کرنا واجب ہے مسجدوں میں حاضر ہونے سے نماز پڑھنے کیلئے اور وعظ سننے کیلئے جبکہ خوف ہو فتنہ کا کیونکہ ان عورتوں کو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا ہے۔ بس اس بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ حضور ﷺ نے تو عورتوں کو جماعات میں جانے سے منع نہیں فرمایا تھا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ دیکھتے ان امور کو جو عورتوں نے ان کے بعد شروع کر رکھے ہیں تو آنجناب ﷺ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے ضرور منع فرماتے ---انتہی

حضرت پیر طریقت سجادہ نشین بھیرہ شریف پیر محمد کرم شاہ صاحب وَ قُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (سورہ النور) کے حاشیہ نمبر ۳۹ میں فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کو فرمار ہے ہیں کہ آپ مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ

۱: وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں۔

۲: اپنے ستر کی جگہوں کی حفاظت کیا کریں۔

۳: اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں اور بجز اس کے جس کے ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں۔

۴: اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا کریں۔

۵: زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی مخفی زینت وآرائش ظاہر ہو۔"

اسی آیت کی تفسیر میں آگے فرماتے ہیں

"وہ عورتیں جو زرق برق بھڑکیلے لباس پہن کر خراماں خراماں مٹکتی ہوئی اجنبی مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں دختران اسلام ان کے متعلق اپنے پیارے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیں۔ میمونہ بنت سعد کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

اَلرَّاقِلَةُ فِي الزِّيْنَةِ فِيْ غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا

ترجمہ: وہ عورت جو آراستہ وپیراستہ ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو۔" (ترمذی بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کیلئے مسجدوں اور دوسرے جماعات میں جانا منع ہے بلکہ عورت کیلئے از روئے قرآن وحدیث پردہ کرنا فرض ہے اور اس کی بہتری گھر کی چاردیواری ہی

کے اندر رہنے میں ہے---فافہم

اب کتب مذہب سے چند حوالے پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرماویں

امامت کی صحت کی چھ شرطیں ہیں:

ا۔مسلمان ہونا۔۲:بالغ ہونا۔۳:عاقل ہونا۔۴:مرد ہونا۔۵:قرأت پڑھنے کے قابل ہونا۔۶:اعذار سے سلامت ہونا۔

پس کافر، نابالغ لڑکے، نشہ سے سرمست انسان اور عورت کی امامت صحیح نہیں۔آگے فرماتے ہیں اس سلسلہ میں یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ مذکورہ ذیل اشخاص کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔

ا: دائمی مجنون۔۲: مدہوش۔۳: نابالغ۔۴: عورت۔۵: خنثیٰ۔۶: معذور۔(نماز کی کتاب علامہ سید نذیر الحق، صفحہ ۶۱۶ وصفحہ ۶۱۹)۔عورت کومطلقاً امام ہونا مکروہ تحریمی ہے فرائض ہوں یا نوافل (بہار شریعت، جلد ۳ صفحہ ۸۷)

آگے فرماتے ہیں

”مسئلہ:عورتوں کوکسی نماز میں جماعت کی حاضری جائزنہیں دن کی نماز ہو یا رات کی جمعہ ہو یا عیدین خواہ وہ جوان ہوں یا بڑھیاں یوں ہی وعظ کی مجالس میں بھی جانا ناجائز ہے۔“

(بحوالہ درمختار صفحہ ۸۷ و ۹۷ جلد سوم بہار شریعت علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ)

وَ کُرِہَ جَمَاعَۃُ النِّسَاءِ لِاَنَّھَا لَا تَخْلُوْ عَنْ نَوْعِ حَرَامٍ (صفحہ ۹۲ عینی جلد اول شرح کنز)

ترجمہ:اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے (یعنی تحریمی) کیونکہ یہ خالی نہ ہوگی حرام سے۔اور وہ یہ ہے کہ اگر عورتیں جماعت سے نماز پڑھیں گی تو امام کوصف کے درمیان میں ننگوں کی طرح کھڑا ہونا ہوگا اور متوارث حضور ﷺ سے امام کا آگے کھڑا ہونا ہے۔لہٰذا ایسی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

اسی کتاب میں ہے

وَلَا یَحْضُرْنَ اَیِ النِّسَاءُ سَوَاءٌ کُنَّ شَوَابٌ اَوْ عَجَائِزُ الْجَمَاعَاتِ لِظُھُوْرِ الْفَسَادِ---الخ (صفحہ ۹۴ عینی جلد اول شرح کنز)

ترجمہ:اور حاضر نہ ہونگی عورتیں چاہے وہ جوان ہوں یا بڑھیاں مساجد میں نمازِ باجماعت ادا کرنے کیلئے

بوجہ ظاہر ہونے فتنہ وفساد کے۔

میں کہتا ہوں اصل وجہ ممانعت کی یہی ہے کیونکہ عورتوں کو جماعت میں شریک نہ ہونے سے ان پر کوئی وعید نہیں اور ان کے نکلنے میں لامحدود شرور ہیں۔اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کیلئے مساجد میں جانا ممنوع کیا اوراس طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا جیسا کہ سابقہ سطور میں بحوالہ تفسیر روح البیان مذکور ہوا۔

''واقتدا نکند مرد بزن یا کودک نابالغ درفرض وسنت ونہ درنفل بر مختیار''

ترجمہ:اورکوئی بھی مرد عورت اور نابالغ لڑکے کے پیچھے اقتدانہ کرے گا فرض نماز ہو چاہے سنت۔

اس طرح نفل نماز میں بھی صحیح اور مختار روایت کے مطابق ''فتاویٰ براھنہ'' جلد اول صفحہ ۲۶۹ اور''مراقی الفلاح''میں مذکور ہے

وَ شُرُوْطُ صِحَةِ الْاِمَامَةِ لِلرِّجَالِ الْاَصِحَّاءِ سِتَّةُ اَشْيَاءَ مِنْهَا الذُّكُوْرَةُ خَرَجَ بِهِ الْمَرْءَةُ الخ (مراقی الفلاح صفحہ ۲۳۳)

یعنی امامت کے صحیح ہونے کیلئے چھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک ذکورۃ ہے یعنی مرد ہونا پس عورت کی امامت جائز نہیں ہے۔

قَالَ مُفْتِيُ الثَّقَلَيْنِ اَلْفَتْوٰى اَلْيَوْمَ عَلَى الْكَرَاهَةِ فِي كُلِّ الصَّلٰوتِ وَ مَتٰى كُرِهَ حُضُوْرُهُنَّ الْمَسَاجِدَ لِلصَّلٰوةِ فَلَاَنْ يُكْرَهَ حُضُوْرُهُنَّ مَجَالِسَ الْوَعْظِ اَوْلٰى (حلبی صفحہ ۱۴۷)

ترجمہ:فرمایا مفتی الثقلین رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کے مساجد میں جانے کیلئے اس زمانہ میں فتویٰ کراہت پر ہے یعنی عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور جب مساجد میں عورتوں کا جانا مکروہ ہے تو مجالس وعظ میں ان کا جانا بطریق اولیٰ مکروہ تحریمی ہے۔

ھدایہ میں ہے

وَ يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ الْجَمَاعَةَ لِاَنَّهَا لَا تَخْلُوْ عَنْ اِرْتِكَابِ مُحَرَّمٍ وَ هُوَ قِيَامُ الْاِمَامِ وَسْطَ الصَّفِّ فَيُكْرَهُ كَالْعُرَاةِ (ھدایہ ،جلد اول صفحہ ۱۰۳)

ترجمہ: اور مکروہ ہے (کراہۃ تحریم) عورتوں کیلئے کہ وہ الگ نماز باجماعت ادا کریں یعنی سوائے مردوں کے عورتیں مل کر اپنی الگ جماعت قائم کریں تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گی تو امام عورت صف کے درمیان کھڑی ہوگی ننگوں کی طرح اور یہ حرام ہے یعنی ممنوع ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ جو نماز مکروہ تحریمی ہوگی وہ واجب الاعادہ ہوگی یعنی اسے دوبارہ پڑھنا ہوگا۔ تو پھر وہ کون سی عقلمند عورت ہوگی جو ایسا نامشروع فعل کرے گی اور وہ کون سا عالم ہوگا جو اس زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں جانے اور نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے کہے گا یا عورتوں کو علیحدہ جماعت سے نماز پڑھنے کیلئے حکم دے گا۔ اگر اس جرم کا ارتکاب اپنے آپ کو عالم کہتے ہوئے بھی کوئی کرے گا تو سمجھ لے کہ یہ اہل سنت نہیں بلکہ غیر مقلد ہے اور اس قسم کے لوگ فی زمانہ بکثرت ہیں۔

امروز ناقصاں بکمالے رسیدہ اند
کز خود سری بحرف سلف خط کشیدہ اند

آخر میں امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ کا ارشاد ملاحظہ فرماویں

ارشاد: ضعیفہ ہوں یا قویہ عورتوں کو مسجد میں جانا ہی منع ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے عورت کی نماز اپنے تہہ خانہ میں بہتر ہے کوٹھڑی میں نماز پڑھنے سے اور اس کی کوٹھڑی میں نماز بہتر ہے دالان میں نماز پڑھنے سے اور اس کی نماز دالان میں بہتر ہے صحن میں نماز پڑھنے سے اور اس کی اپنی صحن میں نماز بہتر ہے میری مسجد میں نماز پڑھنے سے۔ پھر فرمایا مسجد اور جماعت میں حاضری عورتوں کو معاف بلکہ ممنوع ہے۔ (ملفوظات، امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جلد سوم صفحہ ۲۷۳)

نوٹ: اس سے زیادہ تصریح اور وضاحت اور کیا ہوگی جو نہ مانے وبال اس کے سر پر ہوگی۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط

تبصرۂ کتب

(تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں)

نام کتاب: حیدرِ کرار

شاعر: اظہر گیلانی

قیمت: درج نہیں۔

ملنے کا پتہ: باب الہدیٰ فیض آباد، فیصل آباد۔

تبصرہ نگار: محمد شاہد وود ایڈوکیٹ

امروز زندہ ام بہ ولائے تو یا علی
فردا بروحِ پاک اماماں گواہ باش

آفتابِ آسمان لافتیٰ، تاجدارِ ہل اتی، مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے محبت والفت چودہ سوسالہ تاریخِ اسلام میں ہر راسخ العقیدہ مسلمان کی خوش عقیدگی کی غماز رہی ہے۔ گویا مدینہ شریعت وطریقت ﷺ میں اذنِ حضوری اس بابِ ولایت مآب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں جبینِ نیاز جھکانے بنا ممکن ہی نہیں۔

اس مسلمہ حقیقت کو صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور صلحائے امت نے اپنے افعال وکردار سے ثابت کیا۔ ادائیگی نمازِ عشق کیلئے صف بندی کئے ہوئے ہر عاشق صادق نے اپنے امام کی مدحت کو اپنے ایمان کا جزو لاینفک سمجھا۔

فی زمانہ اس صفِ عشق ومستی میں سید اظہر حسین گیلانی کا وجودِ باجود بھی شامل ہے جنہوں نے ''حیدرِ کرار'' کی صورت میں ''علی والوں'' کو گلدستہ منقبت پیش کر کے اپنی رگوں میں محوگردش حضور غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے خونِ مطہر کا رنگ دکھایا ہے۔

''حیدرِ کرار'' اوائل ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آئی۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حضور ہدیہ منقبت شاعر کی صاحبِ منقبت سے عقیدت کا بین اظہار ہے۔ لیکن اس عقیدت میں شاعر نے عقیدہ کو ملحوظِ خاطر بلکہ مقدم رکھا۔ وہ جابجا اتحاد بین المسلمین کے داعی کے طور پر دکھائی دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

چند روزہ زندگی ہے دوستو!
آؤ مل کر پیار کی باتیں کریں
شیعہ سنی کر کے اظہر اتحاد
پانچ کی اور چار کی باتیں کریں

آغازِ کتاب میں ایک حمد، دو مناجاتیں، پانچ نعتیہ سلام، ایک عدد کلام مبنی بر مدحت بارہ امام و چودہ معصومین اور ایک منقبت در مدحتِ اولین سہ خلفاء راشدین جاذبِ قلب و نگاہ ہیں۔ یہ دلکشی یقیناً صاحبِ کتاب کی خوش عقیدگی کا مظہر ہے۔

امام الاولیاء علیہ السلام کے حضور نذرانہ ہائے عقیدت شاعر نے مختلف انداز میں پیش کیے ہیں۔ خصوصاً چھوٹی بحر میں کی جانے والی اور غیر منقوط شاعری تو شاعر کے عشق اور شعری گوئی کے فن کی معراج پر شاہد ہیں۔

سیدۃ النساء العالمین خاتونِ جنت جگر گوشہ سرور عالمیان سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے حضور پنجابی نذرانہ محبت، نذرانہ منقبت بحضور امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام، مدحت گزاری درشانِ حضور غوث المآب رحمۃ اللہ علیہ اور مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس گلدستہ علی میں سجے پھولوں کی مانند ہیں۔ کتاب کے آخر میں اردو اور پنجابی قطعات در ستائش مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم بھی شاندار ہیں۔ جلد کی پشت پر کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق اشفاق احمد اور پروفیسر حفیظ تائب مرحوم کے خیالات شائع کیے ہیں۔ قیمت درج نہیں۔ سید محمد امین علی شاہ نقوی کے نام اظہر گیلانی صاحب نے انتساب کیا ہے۔ باب الہدیٰ فیض آباد فیصل آباد سے کتاب منگوائی جاسکتی ہے۔